وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ
اور کوئی نہیں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اُس کی روزی ف۱ اور
يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٦
جانتا ہے جہاں وہ ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے ف۲ سب کچھ موجود ہے کھُلی کتاب میں ف۳
وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ
اور وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں ف۴ اور
كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَ
تھا اُس کا تخت پانی پر ف۵ تاکہ آزمائے تم کو کہ کون تم میں اچھا کرتا ہے کام ف۶ اور
لَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ
اگر تو کہے کہ تم اُٹھوگے مرنے کے بعد تو البتہ کافر کہنے
كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ
لگیں یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے کھُلا ہوا ف۷ اور اگر ہم روکے رکھیں اُن سے
الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ۭ اَلَا
عذاب کو ایک مدت معلوم تک تو کہنے لگیں کس چیز نے روک دیا عذاب کو، سنتا ہے
يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا
جس دن آئیگا اُن پر نہ پھیرا جائیگا اُن سے اور گھیر لے گی اُن کو وہ چیز جس پر
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٨ۧ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ
ٹھٹھے کیا کرتے تھے ف۸ اور اگر ہم چکھادیں آدمی کو اپنی طرف سے رحمت پھر
نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝٩ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ
وہ چھین لیں اُس سے تو وہ ناامید ناشکر ہوتا ہے ف۹ اور اگر ہم چکھادیں اُس کو آرام بعد
ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ
تکلیف کے جو پہنچی تھی اُس کو تو بول اُٹھے دُور ہوئیں برائیاں مجھ سے وہ تو اِترانے والا

بقیہ فوائد صفحہ ۲۹۲- اس قدر حد سے زیادہ غلبہ ہوا کہ استنجا یا جماع وغیرہ ضروریاتِ بشری کے وقت کسی حصّۂ بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے۔ برہنہ ہونا پڑتا تو غلبۂ حیا سے جھکے جاتے اور شرمگاہ کو چھپانے کے لئے سینہ کو دُہرا کئے لیتے تھے۔ اس طرح کے آثار کبھی کبھی غایت تأدّب مع اللہ اور غلبۂ حیاء سے ناشی ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے لوگ "صوفیہ" کی اصطلاح میں "مغلوب الحال" کہلاتے ہیں چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کسی مسئلہ میں ایسا غلو اور تعمق آئندہ اُمت کو ضیق میں مبتلا کر سکتا تھا اس لئے قرآن نے "اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ" الخ سے اُن کی اصلاح فرمادی یعنی اگر بوقت ضرورت بدن کھولنے میں خدا سے حیاء آتی ہے اس لئے جھکے جاتے ہو تو غور کرو کہ کپڑے پہننے کی حالت میں تمہارا ظاہر و باطن کیا خدا کے سامنے نہیں ہے؟ جب انسان اُس سے کسی وقت نہیں چھپ سکتا پھر ضروریات بشریہ کے متعلق اس قدر غلو سے کام لینا ٹھیک نہیں۔ واضح ہو کہ ربط آیات کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک آیت کا مضمون دوسری کے مضمون سے مناسبت رکھتا ہو، سبب نزول سے مناسبت رکھنا ضروری نہیں۔

فوائد صفحہ ہذا - ف۱ پہلے علم الٰہی کی وسعت بیان ہوئی تھی۔ یہ اُسی مضمون کا تکملہ ہے یعنی زمین پر چلنے والا ہر جاندار جسے رزق کی احتیاج لاحق ہو، اُس کو روزی پہنچانا خدا نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے۔ جس قدر روزی جس کے لئے مقدر ہے یقیناً پہنچ کر رہیگی۔ جو وسائل و اسباب بندہ اختیار کرتا ہے، وہ روزی پہنچنے کے دروازے ہیں۔ اگر آدمی کی نظر اسباب و تدابیر اختیار کرتے وقت مسبّب الاسباب پر ہو، تو یہ توکّل کے منافی نہیں البتہ خدا کی قدرت کو ان اسباب عادیہ میں محصور و مقید نہ سمجھا جائے۔ وہ گاہ بگاہ سلسلۂ اسباب کو چھوڑ کر بھی روزی پہنچاتا یا اور کوئی کام کر دیتا ہے۔ بہر حال جب تمام جانداروں کی حسب استعداد غذاء اور معاش مہیا کرنا حق تعالیٰ کا کام ہے تو ضروری ہے کہ اُس کا علم اُن سب پر محیط ہو ورنہ اُن کی روزی کی خبر گیری کیسے کر سکیگا۔

ف۲ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "مستقر" (جہاں ٹھہرتا ہے) بہشت و دوزخ اور "مُستَوْدَع" (جہاں سونپا جاتا ہے) اُسکی قبر ہے۔ پہلے "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ" الخ میں دنیوی زندگی کا بیان تھا۔ یہاں برزخ اور آخرت کا بیان ہوا مطلب یہ ہوا کہ خدا ابتداء سے انتہاء تک تمہاری ہستی کے تمام درجات کا علم رکھتا ہے۔ "مستقر" و "مستودع" کی تعیین میں مفسّرین کے بہت اقوال ہیں۔ پہلے سورہ "انعام" میں بھی ہم کچھ لکھ چکے ہیں۔ ابن کثیرؒ نے کہا کہ زمین میں جہاں تک چلے پھرے اُس کے منتہائے سیر کو مستقر اور پھر پھرا کر جس ٹھکانے پر آئے اُسے "مستودع" کہتے ہیں۔ ابن عباس کے نزدیک اس زندگی میں جہاں رہے وہ "مستقر"، اور موت کے بعد جہاں دفن کیا جائے وہ "مستودع" ہے، مجاہد نے "مستقر" سے رحم مادر اور "مستودع" سے صُلب پدر مُراد لی ہے۔ عطاء نے اس کے عکس کا دعویٰ کیا بعض متفلسفین کا خیال ہے کہ زمین میں حیوانات کا جو مسکن بالفعل ہے اُسے "مستقر"، اور وجود فعلی سے پہلے جن مواد و مقار میں رہ کر آئے انہیں "مستودع" کہا گیا ہے یعنی حق تعالیٰ اُن تمام مختلف مواد اور اطوار و ادوار کا عالم ہے۔ جن میں سے کوئی حیوان گذر کر اپنی موجودہ ہیئت کذائی تک پہنچا ہے۔ وہ ہی اپنے علم محیط سے ہر مرتبۂ وجود میں اُس کی استعداد کے مناسب وجود و کمالات وجود فائض کرتا ہے۔

ف۳ یعنی "لوحِ محفوظ" میں جو صحیفۂ علم الٰہی ہے۔ پھر علم الٰہی میں ہر چیز کیسے موجود نہ ہو گی۔

ف۴ یہ علم کے بعد قدرت کا بیان ہے۔ اس کی تفسیر سورۂ "اعراف" کے ساتویں رکوع میں گذر چکی۔

ف۵ یعنی آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے پانی مخلوق ہوا جو آئندہ اشیاء کا مادۂ حیات بننے والا تھا۔ "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" (الانبیاء رکوع۳) اس وقت عرش خداوندی اُسی کے اُوپر تھا جیسے اب سماوات کے اُوپر ہے۔ گویا یہ ایک صورت تھی جو اس حقیقت کو ظاہر کر رہی تھی کہ کائنات کا مادہ اور ذریعۂ حیات بالکلیہ رب العرش کے تسلّط و تصرّف اور قیومیت مطلقہ کے ماتحت ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۶ یعنی اس سارے نظام کی تخلیق و ترتیب سے مقصود تمہارا ایمان لینا اور امتحان کرنا ہے کہ کہاں تک اس عجیب و غریب نظام اور سلسلۂ مصنوعات میں غور کر کے خالق و مالک کی صحیح معرفت حاصل کرتے اور مخلوقات ارضی و سماوی سے منتفع ہو کر محسن شناسی اور سپاس گذاری کا فطری فرض بجالاتے ہو۔ یہ مقام تمہاری سخت آزمائش کا ہے۔ مالک حقیقی دیکھتا ہے کہ تم میں سے کونسا غلام صدق و اخلاص اور سلیقہ مندی سے اچھا کام کرتا اور فرائض بندگی انجام دیتا ہے۔

ف۷ جب یہ دنیا امتحان و آزمائش کی جگہ ہے تو ضرور ہے کہ اس کے بعد مجازات انعام و انتقام کا سلسلہ ہو، تا شاکرین و کافرین کو اپنے اپنے کئے کا پھل ملے۔ اسی لئے یہاں بعث بعد الموت کا ذکر کیا گیا یعنی کفار مکہ کو یقین نہیں آتا کہ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جائینگے اور اپنے جرائم کی سزا بھگتیں گے۔ جب وہ قرآن میں یا حضور کی زبان سے بعث بعد الموت کا نہایت مؤثر بیان سُنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کا یہ بیان کھلا ہوا جادو ہے جس نے بہت سے لوگوں کو مرعوب و مسحور کر لیا۔ مگر یاد رکھیے ہم پر یہ جادو چلنے والا نہیں۔ (ابن کثیر)

ف۸ یعنی جب اُن کی شرارتوں پر عذاب الٰہی سے ڈرایا جاتا ہے، مگر خدا کی حکمت ایک مدّت معین تک عذاب کو روکے رکھتی ہے تو تکذیب و استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ وہ عذاب کہاں ہے آخر آتا کیوں نہیں؟ کس چیز نے اُسے پکڑ رکھا ہے؟ فرماتے ہیں کیا مذاق کرتے ہو، وقت معین پر جب عذاب آئیگا کسی کے ٹالے نہ ٹلیگا۔ اور ہر طرف سے گھیر کر تباہ و برباد کر کے چھوڑیگا۔

ف۹ یعنی اب تو کہتے ہیں عذاب کہاں ہے، کیوں نہیں آتا، لیکن آدمی بودا اور تھڑدلا اتنا ہے کہ اگر خدا چند روز اپنی مہربانی سے عیش و آرام میں رکھنے کے بعد تکلیف میں مبتلا کر دے تو پچھلی مہربانیاں بھی بھلا دیتا ہے اور ناامید ہو کر آئندہ کے لئے آس توڑ بیٹھتا ہے۔ گذشتہ پر ناشکری اور آئندہ سے مایوسی، یہ ہی اُس کی زندگی کا حاصل ہے۔

فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ

شیخی خورا ہے ف۱ مگر جو لوگ صابر ہیں اور کرتے ہیں نیکیاں اُن کے واسطے

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ

بخشش ہے اور ثواب بڑا ف۲ سو کہیں تو چھوڑ بیٹھیگا کچھ چیز اُس میں سے جو وحی آئی تیری طرف

وَضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ

اور تنگ ہوگا اُس سے تیرا جی اس بات پر کہ وہ کہتے ہیں کیوں نہ اُترا اُس پر خزانہ یا

جَاۗءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ۭ

کیوں نہ آیا اُسکے ساتھ فرشتہ تو تو ڈرانیوالا ہے اور اللہ ہے ہر چیز کا ذمہ دار ف۳

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ

کیا کہتے ہیں کہ بنالایا ہے تو قرآن کو کہہ دے تم بھی لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی بنا کر

وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾

اور بُلالو جس کو بُلا سکو اللہ کے سوا اگر ہو تم سچے

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ

پھر اگر نہ پورا کریں تمہارا کہنا تو جان لو کہ قرآن تو اُترا ہے اللہ کی وحی سے اور یہ کہ

لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ

کوئی حاکم نہیں اُسکے سوا پھر اب تم حکم مانتے ہو ف۴ جو کوئی چاہے

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ

دنیا کی زندگانی اور اُس کی زینت بھگتا دینگے ہم اُن کو اُن کے عمل دنیا میں اور اُن کو

فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا

اس میں کچھ نقصان نہیں ف۵ یہی ہیں جن کے واسطے کچھ نہیں آخرت میں آگ کے

النَّارُ ڮ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

سوا ف۶ اور برباد ہوا جو کچھ کیا تھا یہاں اور خراب گیا جو کمایا تھا ف۷

ف۱ یعنی مصیبت کے بعد اگر خدا آرام و آسائش نصیب کرے تو سمجھتا ہے کہ گویا اب ہمیشہ کے لئے مصائب و تکالیف کا خاتمہ ہو چکا پچھلی کیفیت کبھی لوٹ کر آنے والی نہیں۔ اُس وقت غافل و مغرور ہو کر شیخیاں مارتا اور اتراتا پھرتا ہے حالانکہ چاہیئے تھا کہ پچھلی حالت یاد کر کے خدا کا شکر ادا کرتا اور اُس کے احسان کے سامنے جُھک جاتا۔ ف۲ یعنی جو حال اُوپر عام انسانوں کا بیان ہوا، اِس سے اللہ کے وہ بندے مستثنیٰ ہیں جو تکلیف و مصیبت کا مقابلہ صبر و استقامت سے کرتے اور امن و راحت کے وقت شکر گذاری کے ساتھ عمل صالح میں مستعدی دکھاتے ہیں۔ ایسے اولوالعزم وفاداروں کی جماعت ہی عظیم الشان بخشش و انعام کی مستحق ہے۔ ف۳ مشرکین مکہ شرک و بُت پرستی کی تردید سے بہت غیظ کھاتے تھے مشرکانہ خرافات پر جس قدر اُن کی تحمیق و تجہیل کی جاتی اُسی قدر اُن کے غصّہ کی آگ بھڑکتی تھی۔ کبھی کوشش کرتے تھے کہ آپ کو اس معاملہ میں ذرا ڈھیلا کر دیں اور اس سب سے بڑے اور بنیادی مسئلہ کی تبلیغ میں نرمی اور تساہل برتنے پر آمادہ کریں جب ادھر سے مایوس ہوتے تو محض دق کرنے کو عجیب بیہودہ فرمائشیں کرنے لگتے مثلاً یہ کہتے کہ آپ سچے ہیں اور منصب رسالت پر مامور ہو کر آئے ہیں تو آپکے ساتھ خدا کے یہاں سے مال و دولت کا بڑا خزانہ آنا چاہیئے تھا یا آسمان سے ایک فرشتہ آتا جو آپکے ہمراہ تصدیق کے لئے ہر طرف جایا کرتا۔ "لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَاۗءَ مَعَهٗ مَلَكٌ"۔ (ھود رکوع ۲) گویا جب آپ کی بات منوانے کے لئے نہ مادی طاقت ساتھ ہے نہ روحانی، پھر ہم کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں۔ آپ ان بیہودہ شبہات اور فرمائشوں سے سخت مغموم اور دلگیر ہوتے تھے۔ ممکن ہے کبھی ایسا خیال بھی دل میں گذرتا ہو کہ ان کے معبودوں کے معاملہ میں اگر خدا کی جانب سے اس قدر سختی اختیار کرنے کا حکم نہ رہے تردید کی جائے مگر فی الحال قدرے نرمی اور رواداری کے ساتھ تو شاید زیادہ مؤثر اور مفید ہو، یا جو فرمائشیں یہ لوگ کرتے ہیں، اُن کی یہ ضد بھی کسی حد تک پوری کر دی جائے تو کیا عجب ہے مسلمان ہو جائیں بہرحال وہ ایسا نازک اور پُرخطر وقت تھا کہ تمام دنیا باطل پرستی کے شور سے گونج رہی تھی صرف ایک مقدس ہستی تھی جس کے حلقوم سے حق کی آواز نکل کر باطل کے قلعوں میں زلزلہ ڈالتی تھی۔ آپ چاروں طرف سے موذی دشمنوں کے نرغہ میں گھر رہے تھے۔ کوئی جھٹلاتا کوئی طعن کرتا کوئی مذاق اُڑاتا تھا۔ اُس ماحول کا تصور کرو اور اُس مبلغ اعظم کی قوتِ قلب اور ہمتِ مردانہ کا اندازہ لگاؤ، جس کا تمام تر اعتماد و اتکال ظاہری اسباب سے ہٹ کر خداوند قدوس کے وعدوں پر تھا۔ آپ جب محزون و دلگیر ہوتے تو صرف اپنے پروردگار کی آواز سے ہی تسلی پاتے اور دنیا کے مقابلہ میں تازہ دم ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے اسی سلسلہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی بیہودہ خرافات اور فرمائشوں کی وجہ سے اس قدر فکرمند اور غمگین نہ ہوں نہ اپنے دل میں ان لوگوں کی مراعات کا خیال لائیں کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ وحی الٰہی نے جو چیزیں آپ کو سکھلائی ہیں اور جس بے خوف و خطر تبلیغ کا حکم دیا ہے اُس کے بعض حصّہ کو اُن لوگوں کی خرافات سے تنگ دل ہو کر چھوڑ بیٹھیں جب یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ پیغمبرانہ عصمت اور اولوالعزمی مانع ہے تو تنگدل ہونے سے کیا فائدہ۔ آپ کا کام صرف بھلے بُرے سے آگاہ کر دینا ہے اُن کی ہدایت کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔ خدا تعالیٰ جس کے سپرد ہر چیز ہے، اُن کا معاملہ بھی اُسی کے سپرد کیجئے اور صبر و استقامت کے ساتھ فرائض تبلیغ کی انجام دہی میں ثابت قدم رہیئے۔

ف۴ یعنی فرمائشی معجزے طلب کرتے ہیں، جن کا دیا جانا مصلحت نہیں۔ اور جو سب سے بڑا معجزہ (قرآن) اُن کے سامنے ہے، اُسے مانتے نہیں، کہتے ہیں یہ تو (معاذ اللہ) تمہاری بنائی ہوئی گھڑت ہے۔ اُس کا جواب دیا کہ تم بھی آخر عرب ہو، فصاحت و بلاغت کا دعویٰ رکھتے ہو، سب مل کر ایسی ہی دس سورتیں گھڑ کر پیش کر دو اور اس کام میں مدد دینے کے لئے تمام مخلوق کو بلکہ اپنے ان معبودوں کو بھی بلا لو جنہیں خدائی کا شریک سمجھتے ہو۔ اگر دکر سکو اور کبھی نہ کر سکو گے تو سمجھ لو کہ ایسا کلام خالق ہی کا ہو سکتا ہے جس کا مثل لانے سے تمام مخلوق عاجز رہ جائے۔ تو یقیناً یہ وہ کلام ہے جو خدا نے اپنے علم کامل سے پیغمبر پر اُتارا ہے۔ بیشک جس کے کلام کا مثل نہیں ہو سکتا اُس کی ذات و صفات میں کون شریک ہو سکتا ہے۔ ایسا بے مثال کلام اُسی بے مثال خدا کا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ کیا ایسے واضح دلائل کے بعد بھی مسلمان ہونے اور خدا کا حکم بردار بننے میں کسی چیز کا انتظار ہے (تنبیہ) اعجاز قرآن کی کچھ تفصیل سورۂ "یونس" میں گذر چکی۔ ابتداء میں پورے قرآن سے تحدی کی گئی تھی۔ پھر دس سورتوں سے ہوئی۔ پھر ایک سورۃ سے جیسا کہ "بقرہ" اور "یونس" میں گذرا۔ گویا اُن کا عجز بتدریج نمایاں کیا گیا۔ ف۵ یعنی ایسے واضح ثبوت کے بعد جو شخص قرآن پر ایمان نہیں لاتا، یا اُس کے بتلائے ہوئے راستہ پر نہیں چلتا بلکہ دنیا کی چند روزہ زندگی اور فانی ٹیپ ٹاپ ہی کو قبلۂ مقصود ٹھہرا کر عملی جدوجہد کرتا ہے۔ اگر بظاہر کوئی نیک کام مثلاً خیرات وغیرہ کرتا ہے، تو اُس سے بھی آخرت کی بہتری اور خدا کی خوشنودی مقصود نہیں ہوتی محض دنیوی فوائد کا حاصل کر لینا پیش نظر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی بابت خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین یا منافقین یا دنیا پرست ریاکار مسلمان بتلا دیا کہ دنیا ہی میں اُن کا بھگتان کر دیا جائیگا۔ جو اعمال اور کوششیں وہ حصول دنیا کے لئے کرینگے اُن کے کم و کیف کو ملحوظ رکھتے ہوئے خدا تعالیٰ اپنے علم و حکمت سے جس قدر مناسب جانیگا اور دینا چاہیگا یہیں عطا فرما دیگا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر جو خیرات وغیرہ کے کام کرے اُسکی یہ فانی اور صوری حسنات جو روح ایمان سے یکسر خالی ہیں، دنیا میں رائیگاں نہیں جاتیں۔ (ابن… صفحہ ۲۹۵)

بقیہ فوائد صفحہ ۲۹۴ - اُن کے بدلہ میں خدا تعالیٰ تندرستی، مال، اولاد، عزت، حکومت وغیرہ دے کر سب کھاتہ بے باق کر دیتا ہے۔ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں کوئی چیز اُس کے کام آنے والی نہیں جس کافر کے لئے جس درجہ کی سزا تجویز ہو چکی ہے وہ کبھی اُس سے ٹلنے یا کم ہونے والی نہیں "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا" (بنی اسرائیل۔ رکوع ۲) ریا کار اور دنیا پرست عالم، متصدق اور مجاہد کے حق میں جو وعید آئی ہے، اُس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اُن سے محشر میں کہا جائیگا کہ جس غرض کے لئے تُونے علم سکھلایا، یا صدقہ و جہاد کیا وہ دنیا میں حاصل ہو چکی اب ہمارے پاس تیرے لئے کچھ نہیں۔ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اِسے جہنم میں لے جاؤ (اعاذنا اللہ منہا)۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ

بھلا ایک شخص جو ہے صاف رستہ پر اپنے رب کے اور اُسکے ساتھ ساتھ ہے ایک گواہ اللہ کی طرف سے اور

قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ

اُس سے پہلے گواہ تھی مُوسیٰ کی کتاب رستہ بتلاتی اور بخشواتی (اور وہ کی برابر ہی) یہی لوگ مانتے ہیں قرآن کو

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ

اور جو کوئی منکر ہو اُس سے سب فرقوں میں سے سو دوزخ ہے ٹھکانا اُس کا ف۲ سو تو مت رہ

مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

شبہ میں اُس سے بیشک وہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور پر بہت سے لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ۱۷ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ

یقین نہیں کرتے ف۳ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ ف۴

اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ

وہ لوگ روبرو آئیں گے اپنے رب کے اور کہیں گے گواہی دینے والے یہی ہیں جنہوں نے

كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۱۸ الَّذِيْنَ

جھوٹ کہا تھا اپنے رب پر ف۵ سُن لو پھٹکار ہے اللہ کی نا انصاف لوگوں پر جو کہ

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈھتے ہیں اُس میں کجی اور وہی ہیں آخرت سے

هُمْ كٰفِرُوْنَ ۱۹ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَا

مُنکر ف۶ وہ لوگ نہیں تھکانے والے زمین میں بھاگ کر اور نہیں

كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ

اُن کے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی ف۷ دونا ہے اُن کے لئے عذاب ف۸

مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۲۰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

نہ طاقت رکھتے تھے سُننے کی اور نہ دیکھتے تھے ف۹ وہی ہیں جو

وقف لازم

ف۶ یعنی ان اعمال پر دوزخ کے سوا اور کسی چیز کے مستحق نہیں۔ کفار ابدی طور پر اور ریاکار مسلمان محدود مدت کے لئے۔ ہاں خدا تعالیٰ بعض مؤمنین کو محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے، وہ الگ بات ہے۔

ف۷ یعنی دنیا میں جو کام دنیوی اغراض کے لئے کئے تھے، آخرت میں پہنچ کر ظاہر ہوگا کہ وہ سب برباد ہوئے اور ریاکاری یا دنیا پرستی کے سلسلہ میں بظاہر جو نیکیاں کمائی تھیں، سب یونہی خراب گئیں، یہاں کوئی کام نہ آئیں۔

فوائد صفحہ ہذا - ف۱ یعنی یہ شخص اور وہ ریاکار دنیا پرست جن کا ذکر پہلے ہوا، کیا برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ "بَیِّنَہ" (صاف رستہ) سے مُراد وہ رستہ ہے جس پر انسان اپنی اصلی اور صحیح فطرت کے موافق چلنا چاہتا ہے۔ بشرطیکہ گرد و پیش کے حالات و خیالات سے متاثر نہ ہو، اور وہ توحید، اسلام اور قرآن کا راستہ ہے۔ "فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ" (روم۔ رکوع ۴) وفی الحدیث "كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ" الخ اور "شَاهِدٌ مِّنْهُ" (گواہ اللہ کی طرف سے) قرآن عظیم ہے جو گواہی دیتا ہے کہ "دین فطرت" (توحید و اسلام) پر چلنے والا بیشک ٹھیک راستہ پر چل رہا ہے اور وہ قرآن اپنی حقانیت کا بھی خود گواہ ہے ع آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ چونکہ قرآن کے لانیوالے جبرئیل امین اور لینے والے محمد صلعم ہیں۔ اس اعتبار سے اُن کو بھی شاہد کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ حضورؐ کی شان تو یہ ہے کہ آپ کے اخلاق و عادات، معجزات، زبانِ مبارک، چہرۂ نورانی، ہر چیز سے شہادت ملتی ہے کہ جس دین کے آپ حامل ہیں وہ بالکل سچا دین ہے۔ آگے "وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سے پہلے جو وحی کسی نبی پر نازل کی گئی وہ بھی "دین فطرت" کی صداقت پر گواہ تھی۔ خصوصاً موسیٰ علیہ السلام پر جو عظیم الشان کتاب (تورات) اتاری گئی قرآن سے پیشتر اُسے ایک بڑا بھاری شاہد اُن لوگوں کی حقانیت کا کہنا چاہئے جو دین فطرت کے صاف راستہ پر چلتے ہیں۔

ف۲ یعنی یہود، نصاریٰ، بُت پرست، مجوس، عرب، عجم، یورپ، ایشیا کسی فرقہ جماعت اور مُلک و ملت سے تعلق رکھتا ہو جب تک قرآن کو نہ مانیگا نجات نہیں ہو سکتی جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ کی بعض احادیث میں آپ نے بہت تصریح و تعمیم کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

ف۳ یہ خطاب ہر شخص کو ہے جو قرآن سنے یا حضورؐ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے کہ قرآن کی صداقت اور "من اللہ" ہونے میں قطعاً شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جو لوگ نہیں مانتے وہ احمق ہیں یا معاند۔

ف۴ یعنی قرآن جھوٹ اور افترا نہیں۔ خدا کا سچا پیغام ہے جسکو قبول کرنا ضروری ہے خوب سمجھ لو کہ اُس شخص سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہو سکتا جو خدا پر جھوٹ باندھے مثلاً اُس کا کلام نہ ہو اور کہدے کہ اُس کا کلام ہے یا واقعی اُس کا ہو اور خدا بار بار فرمائے کہ میرا کلام ہے مگر باوجود روشن دلائل کے جھٹلاتا رہے اور کہتا رہے کہ اس کا نہیں۔ ف۵ یعنی محشر میں جب خدا کے سامنے علیٰ رؤس الاشہاد پیش ہونگے اور انکی شرارتوں کے دفتر کھولے جائینگے اس وقت گواہی دینے والے (ملائکہ، انبیاء، صالحین بلکہ خود انکے ہاتھ پاؤں) کہیں گے کہ یہی وہ بدبخت ظالم ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹ بکا تھا۔ ف۶ یہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یعنی جو لوگ ظلم اور ناانصافی سے خدا کے کلام کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور سب سے بڑھکر آخرت کے منکر ہیں دوسروں کو خدا کی راہ پر چلنے سے روکتے اور اس تلاش میں رہتے ہیں کہ سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کریں۔ ایسے ظالموں پر خدا کی خصوصی لعنت ہے۔ ف۷ یعنی اتنی وسیع زمین میں نہ کہیں بھاگ کر خدا سے چھپ سکتے ہیں اور نہ کوئی مددگار اور حمایتی مل سکتا ہے جو خدا کے عذاب سے بچاوے۔ ف۸ کیونکہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔ ف۹ یعنی دنیا میں ایسے اندھے بہرے بنے کہ حق بات سُننے کی تاب تھی نہ خدا کے نشانوں کو دیکھتے تھے جنہیں دیکھ کر ممکن تھا راہِ ہدایت پا لیتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اللہ پر جھوٹ بولا بے اصل اور غلط باتیں اُس کی طرف منسوب کیں۔ کہاں سے لائے؟ غیب سے سُن نہ آتے تھے غیب کو دیکھتے نہ تھے پھر اُن کا ماخذ کیا ہے۔

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ
کھو بیٹھے اپنی جان اور گم ہو گیا اُن سے جو جھوٹ باندھا تھا ف١ اسمیں شک نہیں

اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿٢٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
کہ یہ لوگ آخرت میں یہی ہیں سب سے زیادہ نقصان میں البتہ جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے

الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا
نیک اور عاجزی کی اپنے رب کے سامنے وہ ہیں جنت کے رہنے والے وہ اُسی میں

خٰلِدُوْنَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَ
رہا کریں گے ف٢ مثال ان دونوں فرقوں کی جیسے ایک تو اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھتا اور

السَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَلَقَدْ
سُنتا کیا برابر ہے دونوں کا حال پھر کیا تم غور نہیں کرتے ف٣ اور ہم نے

ع

اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٥﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا
بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف کہ میں تم کو ڈر کی بات سُناتا ہوں کھول کر ف٤ کہ نہ پرستش کرو

اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٦﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ
اللہ کے سوا ف٥ میں ڈرتا ہوں تم پر درد ناک دن کے عذاب سے ف٦ پھر بولے سردار

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ
جو کافر تھے اُس کی قوم کے ہم کو تو تو نظر نہیں آتا مگر ایک آدمی ہم جیسا، اور دیکھتے نہیں

اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى
کوئی تابع ہوا ہو تیرا، مگر جو ہم میں نیچ قوم ہیں بلا تامل اور ہم نہیں دیکھتے

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ
تم کو اُوپر اپنے کچھ بڑائی بلکہ ہم کو تو خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو ف٧ بولا اے قوم

اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ
دیکھو تو اگر میں ہوں صاف راستہ پر اپنے رب کے اور اُس نے بھیجی مجھ پر رحمت

ف١ جان کا کھو بیٹھنا، یہ ہی کہ ابدی عذاب میں گرفتار ہوئے اور سب جھوٹے دعوے وہاں پہنچ کر گم ہو گئے۔

ف٢ منکرین کی بد انجامی کے بالمقابل مومنین کا انجام نیک بیان فرمایا۔ ان کی عاجزی خدا کو پسند آئی اس لئے اپنی دائمی خوشنودی کا مقام عطا فرمایا۔

ف٣ یعنی منکرین تو اندھے بہرے ہیں جیسا کہ دو تین آیت پہلے فرمایا تھا۔ «مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ» پھر جسے نہ خود نظر آئے نہ دوسرے کی سُن سکے، اُس کا آغاز و انجام کیسے اُن روشن ضمیر ایمانداروں کی برابر ہو سکتا ہے جو بصیرت کی آنکھوں سے حق و باطل اور بھلے بُرے میں تمیز کرتے اور اپنے ہادیوں کی باتیں بگوش ہوش سُنتے ہیں۔ غور کرو کہ دونوں کا انجام یکساں کس طرح ہو سکتا ہے؟ آگے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا قصہ اسی مضمون کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

ف٤ یعنی نہایت وضاحت کے ساتھ وہ چیزیں بتلاتا ہوں جن کے ارتکاب پر مہلک عذاب نازل ہونے کا اندیشہ ہے۔ یا جو اُس عذاب سے محفوظ رہنے کے ذرائع ہیں۔

ف٥ یعنی وَدّ، سواع، یغوث، یعوق، نسر کی جن کا ذکر سورۂ نوح میں آئے گا۔

ف٦ یعنی غیر اللہ کی پرستش سے باز نہ آنے کی صورت میں سخت عذاب آنے کا ڈر ہے۔ "دردناک دن" سے وہ دن مُراد ہے جس میں المناک اور درد انگیز حوادث کا وقوع ہو مثلاً قیامت کا دن یا وہ دن جس میں قوم نوح غرقاب کی گئی۔

ف٧ یعنی رسول کو تمام قوم کے مقابلہ میں کوئی نمایاں امتیاز ہونا چاہئے مگر لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہماری طرح جنس بشر سے ہو، آسمان کے فرشتے نہیں۔ جس کے سامنے خواہ مخواہ انسانوں کی گردنیں جُھک جائیں پھر بشر بھی ایسے نہیں جسے کوئی خاص تفوق اور بڑائی ہم پر حاصل ہوتی مثلاً بڑے دولتمند یا جاہ و حکومت کے مالک ہوتے، جو لوگ تمہارے پیرو ہوئے وہ بھی ماشاء اللہ سب کے سب مفلس، ارذیل، پست اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ ہیں جنکے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے شریفوں کے لئے ننگ و عار کا موجب ہے، تو کیا ساری خدائی میں سے تم ہی ملے تھے جنہیں خدا نے اپنے منصب سفارت پر مامور فرمایا۔ آخر ہم تم سے حسب نسب، مال و دولت، خلق و خُلق کس بات میں کم تھے؟ جو ہمارا انتخاب اس عہدہ کے لئے نہ ہو گیا۔ کم از کم آپ کا اتباع کرنیوالے ہی کوئی معزز اور بڑے آدمی ہوتے۔ بھلا ان موچیوں اور حجاموں کا تابع ہو جانا آپکے لئے کیا موجب فضل و شرف ہو سکتا ہے؟ اور کس طرح صداقت کی دلیل بن سکتی ہے؟ ایسے سطحی لوگوں کا جن کی پستی اور رذالت بالکل عیاں ہے۔ بے سوچے سمجھے اور بدون غور و تامل کے ظاہری اور سرسری طور پر ایمان لے آنا آپ کا کونسا کمال ہے؟ بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی سب جھوٹے ہو۔ تم نے ایک بات بنائی اور چند بیوقوفوں نے ہاں میں ہاں ملادی۔ تاکہ اس طرح ایک نئی تحریک اُٹھا کر کوئی امتیاز اور بزرگی حاصل کر لیں۔ یہ اُن ملعونوں کی تقریر کا ماحصل تھا۔ نوح علیہ السلام نے جو جواب دیا آگے آتا ہے۔

عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

اپنے پاس سے ، پھر اُس کو تمہاری آنکھ سے مخفی رکھا تو کیا ہم تم کو مجبور کر سکتے ہیں اُس پر اور تم اُس سے بیزار ہو ف۱

وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًاؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ

اور اے میری قوم نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ مال میری مزدوری نہیں مگر اللہ پر

وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْاؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ

اور میں نہیں ہانکنے والا ایمان والوں کو اُن کو ملنا ہے اپنے رب سے ف۲ لیکن میں دیکھتا ہوں

قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْؕ

تم لوگ جاہل ہو ف۳ اور اے قوم کون چھڑائے مجھ کو اللہ سے اگر اُن کو ہانک دُوں

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ

کیا تم دھیان نہیں کرتے ف۴ اور میں نہیں کہتا تم کو کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے

وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ

اور نہ میں خبر رکھوں غیب کی اور نہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ کہونگا کہ جو لوگ

تَزْدَرِيْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًاؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْۤ

تمہاری آنکھ میں حقیر ہیں نہ دیگا اُن کو اللہ بھلائی اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ

اَنْفُسِهِمْۚۖ اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا

اُن کے جی میں ہے یہ کہوں تو میں بے انصاف ہوں ف۵ بولے اے نوح تُو نے ہم سے جھگڑا کیا

فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور بہت جھگڑ چکا اب لے آ جو تو وعدہ کرتا ہے ہم سے اگر تو سچا ہے ف۶

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾

کہا کہ لائیگا تو اُس کو اللہ ہی اگر چاہے گا اور تم نہ تھکا سکو گے بھاگ کر ف۷

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ

اور نہ کارگر ہوگی تم کو میری نصیحت جو چاہوں کہ تم کو نصیحت کروں اگر

ف۱ یعنی یہ صحیح ہے کہ پیغمبر کو عام انسانوں سے بالکل ممتاز ہونا چاہئے لیکن وہ امتیاز مال و دولت مُلک و حکومت اور دُنیا کی ٹیپ ٹاپ میں نہیں، بلکہ اعلیٰ اخلاق، بہترین ملکات، تقویٰ، خدا ترسی حق پرستی، دردمندیٔ خلائق اور اُن صریح آیات و نشانات پیش کرنے سے اُن کو امتیاز حاصل ہوتا ہے جو حق تعالیٰ بطور اتمام حجت و اکمال نعمت اُن کے اندر قائم کرتا یا اُن کے ذریعہ سے ظاہر فرماتا ہے وہ وحی الٰہی اور ربانی دلائل و براہین کی روشنی میں صاف راستہ پر چلتے ہیں اور دن رات خدا کی خصوصی رحمتیں اُن پر بارش کی طرح برستی ہیں۔ نُوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر یہ سب چیزیں مجھ میں کھُلے طور پر موجود ہوں اور یقیناً موجود ہیں لیکن جس طرح اندھے کو سُورج کی روشنی نظر نہیں آتی، تمہاری آنکھیں بھی اس نورِ الٰہی کے دیکھنے سے قاصر رہیں، تو کیا ہم زبردستی مجبور کر کے تم سے اُس نُور اور رحمت کا اقرار کرا سکتے ہیں جس سے تم اس قدر نفور و بیزار ہو کہ آنکھ کھول کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ میری بزرگی و برتری جو تم کو نظر نہیں آتی، یہ اس لئے ہے کہ تمہارے دل کی آنکھیں اندھی ہیں یا بند ہیں۔

ف۲ یعنی میں تبلیغ کے کام کی کوئی تنخواہ تم سے نہیں مانگتا، جو مالی خودغرضی کا شبہ ہو۔ میں اپنے پروردگار کا نوکر ہوں اُسی کے یہاں سے مزدوری ملیگی بحمد اللہ نہ مجھے تمہارے مال کی طلب ہے نہ ضرورت۔ پھر غریبوں کو چھوڑ کر مالداروں کی طرف کیوں جھکوں۔ اگر تم میرے اتباع کو محض اُن کی افلاس یا پیشہ کی وجہ سے حقیر و ذلیل سمجھتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ میں وہ نہیں جو دولت ایمان کے سرمایہ داروں کو ظاہری خستہ حالی کی بناء پر جانوروں کی طرح دھکے دیکر نکال دُوں انہیں ایک روز اپنے پروردگار سے ملنا ہے۔ وہ میری شکایت اُس کے دربار میں کرینگے کہ آپ کے پیغمبر نے متکبر دنیاداروں کی خاطر ہم غریب وفاداروں کو نکال دیا تھا۔ میں ظاہر حال کے خلاف یہ کیونکر سمجھ لوں کہ اُن کا ایمان محض ظاہری اور سرسری ہے۔ دلوں کو چیر کر دیکھنا میرا کام نہیں۔ یہ پروردگار کے یہاں پتہ چلے گا کہ اُن کے دلوں کی کیا حالت تھی۔

ف۳ یعنی جہل و حماقت سے انجام پر نظر نہیں کرتے، صرف اُن کی ظاہری شکستگی دیکھ کر حقیر سمجھتے ہو۔ اور ایسی مہمل درخواست کرتے ہو کہ اِن کو ہٹا دیا جائے تو ہم تمہارے پاس آئیں۔ کیا غربت اور کسب حلال کوئی عیب ہے؟ یہ ہی چیز تو ہے جو حق کے قبول کرنے میں مزاحم نہیں ہوتی۔ عموماً دولت و جاہ کا نشہ انسان کو قبول حق سے محروم رکھتا ہے اسی لئے ہرقل کی حدیث میں آیا کہ انبیاء کے متبعین ضُعفاء ہوتے ہیں بہر حال تم نہیں جانتے کہ سب کو خدا کے پاس جمع ہونا ہے، وہاں پہنچکر ظاہر ہوگا کہ اپنے کو اُن سے بہتر سمجھنا تمہارا جاہلانہ غرور تھا۔

ف۴ یعنی میں تمہارے کبر و غرور اور جہالت سے متاثر ہو کر اپنا نقصان کیسے کروں۔ اگر تمہاری رعایت سے میں نے خدا کے مخلص بندوں کو دھکے دے دیئے تو اُس کی سزا اور گرفت سے مجھ کو کون بچا سکے گا۔

ف۵ کفار نے نوح علیہ السلام کو کہا تھا کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو، جتھے اور دولت کے اعتبار سے بھی کچھ امتیاز نہیں رکھتے، اُس کا جواب نہایت متانت و انصاف کے ساتھ دیتے ہیں کہ بیشک جیسا امتیاز تم دیکھنا چاہتے ہو اُس کا ہم دعوٰی نہیں رکھتے، بلاشبہ میں ایک بشر ہوں، فرشتہ نہیں۔ نہ خدا نے اپنے سارے خزانے میرے تصرف و اختیار میں دیدیے ہیں، نہ تمام غیب کی باتوں پر مطلع کیا گیا ہوں، لیکن ان تمام باتوں کے اعتراف کے ساتھ تمہاری طرح یہ کبھی نہ کہونگا کہ جو لوگ تمہاری نگاہ میں معیوب و حقیر ہیں (یعنی میں اور میرے رفقاء) اُن کو خدا ہرگز کوئی خیر (بھلائی) نہیں دے سکتا۔ مثلاً اُن میں سے کسی کو نبوّت و حکمت عطا فرمادے اور باقیوں کو ایمان و عرفان کی دولت سے بہرہ ور کرے۔ خوب سمجھ لو حق تعالیٰ اُن کے دلوں کی استعدادات و کیفیات کو پوری طرح جانتا ہے ہر ایک کی استعداد کے مناسب فیض پہنچاتا اور باطنی احوال و کیفیات کے موافق برتاؤ کرتا ہے۔ اُس نے جو خاص مہربانی مجھ پر یا میرے ساتھیوں پر کی ہے، وہ تمہاری آنکھ سے پوشیدہ ہے۔ اگر میں یہ کہنے لگوں کہ جو تمہیں بظاہر شکستہ حال اور حقیر دکھائی دیتے ہیں، خدا تعالیٰ نے بھی جو بواطن کا جاننے والا ہے انہیں کوئی عزت و شرف نہیں بخشا تو نہایت بے اصول اور ناانصافی کی بات ہوگی۔ (تنبیہ) اس آیت کے ابتدائی تین جملے سورہ "انعام" میں گذر چکے۔ وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔

ف۶ حضرت نوح قبل از طوفان ساڑھے نو سو برس اُن میں رہے۔ شب و روز سرّاً و علانیۃً انہیں نصیحت کرتے ہر شبہ کا جواب دیتے، تبلیغ و تفہیم اور بحث و مناظرہ کا سلسلہ جاری رہتا۔ اسی جھگڑے میں صدیاں گذر گئیں۔ کفار نے اُن کی حقانی بحثوں اور شب و روز کی روک ٹوک سے عاجز ہو کر کہا کہ اب یہ سلسلہ بند کیجئے۔ بس اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب کی دھمکیاں دیتے رہے ہو وہ فوراً لے آیئے تاکہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو۔

ف۷ یعنی یہ چیز میرے قبضہ میں نہیں۔ خدا جس وقت اپنی حکمت کے موافق چاہیگا عذاب نازل کردیگا۔ ہمارا فرض صرف آگاہ کر دینا تھا۔ باقی عذاب تو ایسی ہولناک اور عظیم الشان چیز ہے، جس کا لے آنا اور دفع کر دینا دونوں پہلو قوائے بشریہ کے دائرہ سے خارج ہیں۔ جب مشیت الٰہی ہو گی تو کہیں بھاگ کر پناہ نہ لے سکو گے۔ ایسا کون ہے جو خدا کو (معاذ اللہ) تھکا کر عاجز کر سکے۔

ف۱ یعنی کفر پر اس قدر اصرار و ضد اور انتہائی شوخ چشمی سے نزولِ عذاب کی استدعا پتہ دیتی ہے کہ خدا کا ارادہ یہی ہے کہ تم کو گمراہی میں پڑا رہنے دے اور آخر کار ہلاک کر دے پس اگر تمہاری بدکرداری کے سبب سے خدا نے یہی چاہا تو میں کتنا ہی نصیحت و خیر خواہی کر کے تم کو نفع پہنچانا چاہوں، کچھ نافع اور مؤثر نہ ہوگا۔ تمہارا رب وہ ہی ہے جس کے مِلک و تصرف میں ہر چیز ہے۔ جیسا جس کے ساتھ معاملہ کرے، کوئی روک نہیں سکتا۔ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ ہی سب کے اعمال کی جزا و سزا دینے والا ہے (ربط) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہاں تک جتنے سوالات و اعتراضات اُس قوم کے تھے، وہ ہی تھے حضرت کی قوم کے۔ گویا یہ سب جواب اُن کو ملے۔ ایک اُن کا نیا دعویٰ تھا، اُسے آگے قصّہ کے درمیان میں بیان فرماتے ہیں۔ ف۲ یہ گفتگو کفار مکہ کی آنحضرت صلعم کے ساتھ تھی کہ قرآن آپ خود بنا لائے ہیں۔ خدا کا کلام نہیں ہے۔ حضرت نوح کتاب نہ لائے تھے جو اُن کی قوم یہ بات کہتی۔ (کذا فی الموضح) لیکن بعض مفسّرین نے اس آیت کو بھی نوح کے قصّہ کا جزو بتلایا ہے یعنی اُن کی قوم نے کہا کہ جن باتوں کو نوح خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ خود ان کی گھڑنت ہیں۔ بعض نے کہا کہ گفتگو تو اہلِ مکہ کی حضور سے ہے مگر اس کا تعلق خاص نوح کے قِصّہ سے تھا۔ گویا وہ کہتے تھے کہ یہ داستان آپ نے جھوٹ بنالی ہے۔ واقع میں اِن قِصّوں کی کوئی اصل نہیں۔ ف۳ قرآن کو "مفتریٰ" کہنے کا تحقیقی جواب اسی سورت میں ایک رکوع پہلے گذر چکا۔ یہاں آخری بات فرمائی یعنی قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا نہایت واضح و محکم دلائل سے بار بار ثابت کیا جا چکا ہے ایسی روشن چیز کی تکذیب کر کے جو گناہ تم سمیٹ رہے ہو اُس کا وبال تم ہی پر پڑیگا۔ اُس کی فکر کرو۔ میں کافی تبلیغ کر کے بری الذمہ ہو چکا ہوں۔ اب جو غلطیاں تم کرو اُس کا میں ذمہ دار نہیں۔ ہاں بالفرضِ محال اگر میں نے افترا کیا ہو تو اُس کا گناہ مجھ پر پڑ سکتا ہے۔ سو بحمد اللہ ایسا ہوا نہیں۔

كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۟ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾
اللہ چاہتا ہوگا کہ تم کو گمراہ کرے وہی ہے رب تمہارا اور اُسی کی طرف لوٹ جاؤ گے ف۱

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَ
کیا کہتے ہیں کہ بنا لایا قرآن کو ف۲ کہدے اگر میں بنا لایا ہوں تو مجھ پر ہے میرا گناہ اور

اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ
میرا ذمہ نہیں جو تم گناہ کرتے ہو ف۳ اور حکم ہوا طرف نوح کی کہ اب ایمان نہ لائے گا

ع ۳

مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾
تیری قوم میں مگر جو ایمان لا چکا سو غمگین نہ رہ اُن کاموں پر جو کر رہے ہیں ف۴

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ
اور بنا کشتی روبرو ہمارے اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کر مجھ سے ظالموں کے حق

ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ
میں یہ بیشک غرق ہونگے ف۵ اور وہ کشتی بناتا تھا ف۶ اور جب گذرتے اُس پر

مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا
سردار اُس کی قوم کے ہنسی کرتے اُس سے ف۷ بولا اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو ہم

نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ
ہنستے ہیں تم سے جیسے تم ہنستے ہو ف۸ اب جلد جان لوگے کہ کس پر

يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾
آتا ہے عذاب کہ رسوا کرے اُس کو اور اُترتا ہے اُس پر عذاب دائمی ف۹

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ
یہاں تک کہ جب پہنچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے ف۱۰ کہا ہم نے چڑھا لے کشتی میں ہر

كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ
قسم سے جوڑا دو عدد ف۱۱ اور اپنے گھر کے لوگ مگر جس پر پہلے ہو چکا ہے حکم ف۱۲

ف۴ جب قوم کی ایذائیں حد سے گذر گئیں، تو نوح علیہ السلام نے سیکڑوں برس ظالموں کی زہرہ گداز جفائیں جھیلنے کے بعد خدا کے آگے شکوہ کیا "اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ" کہ میں مغلوب و ضعیف ہوں۔ آپ ان سے بدلہ لیجئے۔ ارشاد ہوا کہ جن گنے چُنے افراد کی قسمت میں ایمان لانا تھا، لا چکے۔ آئندہ اِن میں کوئی ایمان لانیوالا نہیں ہے لہٰذا اب آپ اِن کی عداوت و تکذیب اور ایذا رسانی سے زیادہ غمگین نہ رہیں۔ عنقریب خدا کی شمشیرِ انتقام بے نیام ہونیوالی ہے جو سب شرارتوں اور شریروں کا خاتمہ کر ڈالے گی۔

ف۵ حق تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ ایک کشتی ہمارے رُوبرو (یعنی ہماری حفاظت و نگرانی میں) ہمارے حکم اور تعلیم و الہام کے موافق تیار کرو۔ کیونکہ عنقریب پانی کا سخت خوفناک طوفان آنیوالا ہے۔ جس میں یہ سب ظالمین و مکذبین یقیناً غرق کئے جائینگے۔ ان کے حق میں اب یہ فیصلہ نافذ ہو کر رہیگا۔ آپ کسی ظالم کی سفارش وغیرہ کے لئے ہم سے کوئی بات نہ کریں۔ آنیوالا عذاب بالکل اٹل ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قومِ لُوط کے حق میں جھگڑنا شروع کیا تھا اُن کو بھی اسی طرح کا ارشاد ہوا تھا "يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ" (ھود۔ رکوع ۷)

ف۶ کہتے ہیں کشتی سالہا سال میں تیار کی۔ کشتی کیا تھی بڑا جہاز تھا، جس میں الگ الگ درجے تھے۔ مفسّرین نے اس کی تفاصیل میں بہت سی مبالغہ آمیز اور عجیب و غریب روایات بیان کی ہیں جن میں اکثر اسرائیلیات ہیں۔

ف۷ کہ دیکھو! پیغمبر سے بڑھئی بن گئے۔ کبھی ایک عجیب سی چیز دیکھ کر نوح علیہ السلام سے پوچھتے کہ یہ کیا بناتے ہو؟ آپ فرما دیتے کہ ایک گھر بناتا ہوں جو پانی پر چلیگا اور ڈوبنے سے بچائیگا۔ وہ سُن کر ہنسی اُڑاتے کہ خشک زمین پر ڈوبنے کا بچاؤ کر رہے ہیں۔

ف۸ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "وہ ہنستے تھے کہ خشک زمین پر غرق کا بچاؤ کرتا ہے۔ یہ ہنستے تھے اُس پر کہ موت سر پر کھڑی ہے اور یہ ہنستے ہیں"۔ اسی تفسیر کے موافق مترجم محققؒ نے "فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ" کا ترجمہ بصیغۂ حال کیا ہے۔ ابن کثیر وغیرہ "نَسْخَرُ مِنْكُمْ" میں استقبال کے معنی مُراد لیتے ہیں یعنی آج تم ہمیں احمق بناتے اور ہنستے ہو لیکن وہ زمانہ قریب ہے کہ اس کے جواب میں تمہاری حماقت و سفاہت پر ہم کو ہنسنے کا موقع ملیگا جب تم اپنے جرائم کی پاداش میں سزایاب ہوگے۔ ف۹ یعنی اب زیادہ تاخیر نہیں۔ جلد آشکارا ہو جائیگا کہ دنیا کا رسواکن اور آخرت کا دائمی عذاب کس پر نازل ہوتا ہے؟ ف۱۰ یعنی نوح علیہ السلام کشتی تیار کرتے رہے یہاں تک کہ وعدہ کے موافق خدا کا حکم پہنچ گیا "بادلوں" کو کہ برس پڑیں اور زمین کو کہ اُبل پڑے، اور فرشتوں کو کہ تعذیب وغیرہ کے متعلق اپنے فرائض منصبی کا سر انجام کریں۔ آخر اُوپر سے بارش آئی اور نیچے زمین کی سطح سے چشموں کی طرح جوش مار کر پانی اُبلنے لگا۔ حتی کہ روٹی پکانے کے تنوروں میں بھی جہاں آگ بھری ہوتی ہے پانی اُبل پڑا۔ (تنبیہ) "تنور" کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض مطلق روٹی پکانے کا تنور مراد لیتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ایک تنور حضرت حوا سے منتقل ہوتے ہوتے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس پہنچا تھا، وہ اُن کے گھر میں طوفان کا نشان ٹھہرایا گیا تھا۔ کہ جب اُس سے پانی اُبلے کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ بعض کے نزدیک تنور کوئی خاص چشمہ "کوفہ" یا "جزیرہ" میں تھا۔ بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ "تنور" صبح کے اُجالے اور روشنی کو کہا ہے یعنی صبح کی روشنی خوب چمکنے لگے۔ ابوحیان کہتے ہیں کہ "فار التنور" ممکن ہے "ظہورِ عذاب" اور "شدتِ ہول" سے کنایہ ہو جیسے "حمی الوطیس" شدتِ حرب سے کنایہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "تنور" کے معنی وجہ ارض (سطح زمین) کے ہیں۔ ہم نے اُوپر جو تفسیر کی بتقدم اسی معنی کو رکھا ہے، اشارہ بعض دوسرے معانی کی طرف بھی کر دیا۔ حافظ ابن کثیر یہی تفسیر لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "وهذا قول جمهور السلف وعلماء الخلف۔" واللہ اعلم۔ ف۱۱ یعنی جن جانوروں کی ضرورت ہے اور نسل باقی رہنی مقدر ہے

(بقیہ صفحہ ۲۹۹)

بقیہ فوائد صفحہ ۲۹۸- اُن میں سے ایک ایک جوڑا (نر اور مادہ دونوں) لیکر کشتی پر سوار کرلو۔ ف۱۲ یعنی مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ظالموں کے زمرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے غرق کئے جائینگے "وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ" اس سے مراد ہے نوح کا بیٹا "یام"، جس کا لقب کنعان تھا اور کنعان کی والدہ "واعلہ" گھر والوں میں سے یہ دونوں علیحدہ رہے اور غرق ہوئے۔

فوائد صفحہ ہذا۔ ف۱ یعنی اسّی مرد یا کم وبیش۔ ف۲ نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ بنام خدا کشتی پر سوار ہو جاؤ، کچھ فکر مت کرو اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب خدا کے اذن و حکم اور اس کے نام کی برکت سے ہے۔ غرقابی کا کوئی اندیشہ نہیں میرا پروردگار مومنین کی کوتاہیوں کو معاف کرنیوالا اور ان پر بیحد مہربان ہے۔ وہ اپنے فضل سے ہم کو صحیح سلامت اُتاریگا۔ اس آیت سے نکلتا ہے کہ کشتی وغیرہ پر سوار ہوتے وقت "بسم اللہ" کہنا چاہیئے۔

وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ (٤٠) وَقَالَ ارْكَبُوْا

اور سب ایمان والوں کو اور ایمان نہ لائے تھے اُس کے ساتھ مگر تھوڑے ف۱ اور بولا سوار ہو جاؤ

فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ

اس میں اللہ کے نام سے ہے اُس کا چلنا اور ٹھہرنا تحقیق میرا رب ہے بخشنے والا

رَّحِيْمٌ (٤١) وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۥ وَنَادٰى

مہربان ف۲ اور وہ لئے جارہی تھی اُن کو لہروں میں جیسے پہاڑ اور پکارا

نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ

نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ ہو رہا تھا کنارے اے بیٹے سوار ہو جا ساتھ ہمارے اور مت رہ

مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ (٤٢) قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ

ساتھ کافروں کے ف۳ بولا جا لگوں گا کسی پہاڑ کو جو بچالے گا مجھ کو پانی سے ف۴

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ

کہا کوئی بچانے والا نہیں آج اللہ کے حکم سے مگر جس پر وہی رحم کرے اور حائل

بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ (٤٣) وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ

ہو گئی دونوں میں موج پھر ہو گیا ڈوبنے والوں میں ف۵ اور حکم آیا اے زمین

ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ

نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سُکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (٤٤)

اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہو قوم ظالم ف۶

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو کہا اے رب میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں اور بیشک

وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ (٤٥) قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ

تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے فرمایا اے نوح وہ نہیں

ف۳ یعنی کشتی پہاڑ جیسی موجوں کو چیرتی پھاڑتی بے خوف وخطر چلی جا رہی تھی۔ سوار ہونے کے بعد نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے "یام" (کنعان) کو جو اپنے باپ بھائی وغیرہ سارے کنبہ سے کنارے ہو کر کافروں کی صحبت میں تھا، آواز دی کہ ان بدبخت کافروں کی معیت چھوڑ کر ہمارے ساتھ سوار ہو جا! تا اِس مصیبت عظمٰی سے نجات پاسکے۔ (تنبیہ) یا تو نوح علیہ السلام اُسے مومن خیال کرتے تھے، اس لئے آواز دی خواہ واقع میں مومن نہ ہو یا کافر جانتے ہوں مگر یہ توقع ہوگی کہ ان ہولناک نشانات کو دیکھ کر مسلمان ہو جائیگا۔ یا "وَاَھْلَکَ" کے عموم میں داخل سمجھ کر شفقت پدری کے جوش سے ایسا کیا ہو، اور "اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْہِ الْقَوْلُ" کو مجمل ہونے کی وجہ سے اُس پر منطبق نہ سمجھتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

ف۴ وہ اپنے جہل وغباوت سے ابھی یہ خیال کر رہا تھا کہ جس طرح معمولی سیلابوں میں بعض اوقات کسی بلندی پر چڑھ کر آدمی جان بچا لیتا ہے، مَیں بھی کسی اُونچے پہاڑ پر چڑھ کر جان بچالونگا۔

ف۵ یعنی کس خبط میں پڑا ہے۔ یہ معمولی سیلاب نہیں۔ عذاب الٰہی کا طوفان ہے۔ پہاڑ کی کیا حقیقت کوئی چیز آج عذاب سے نہیں بچا سکتی ہاں خدا ہی کسی پر رحم کرے تو بچ سکتا ہے مگر اس ہنگامۂ دار و گیر اور مقام انتقام میں کٹر مجرموں پر رحم کیسا؟ باپ بیٹے کی یہ گفتگو پوری نہ ہوئی تھی کہ پانی کی ایک موج نے درمیان میں حائل ہو کر ہمیشہ کے لئے دونوں کو جُدا کر دیا۔

ف۶ ایک مدّت تک اس قدر پانی برسا گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور زمین کے پردے پھٹ پڑے۔ درخت اور پہاڑیاں تک پانی میں چھُپ گئیں۔ اصحاب سفینہ کے سوا تمام لوگ جن کے حق میں نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی "رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا" (نوح۔ رکوع ۲) غرق ہو گئے۔ اُس وقت خداوند قدوس نے زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نگل جا! اور بادل کو فرمایا کہ تھم جا! پھر کیا مجال تھی کہ دونوں اُس کے امتثال حکم میں ایک لمحہ کی تاخیر کرتے۔ چنانچہ پانی خشک ہونا شروع ہو گیا۔ کشتی "جودی" پہاڑ پر جا لگی جو بعض کے نزدیک موصل میں تھا۔ اور جو کام خدا نے چاہا (یعنی مجرمین کو سزا دینا) وہ پورا ہو چکا ظالموں کے حق میں کہہ دیا گیا کہ خدا کی رحمت سے دُور ہو کر ہمیشہ کے لئے مصیبت و ہلاکت کے غار میں پڑے رہو۔ (تنبیہ) اس میں اختلاف ہے کہ "طوفانِ نوح" تمام دنیا میں آیا یا خاص ملکوں میں۔ اس کے فیصلہ کا یہاں موقع نہیں۔ مگر یاد رہے کہ "دائرۃ المعارف" میں بعض محققین یورپ کے ایسے اقوال و دلائل نقل کئے ہیں جو عموم طوفان کی تائید کرتے ہیں۔ جو لوگ عام طوفان کے قائل ہیں، اُن میں سے اکثر کے نزدیک موجودہ دنیا کے کل انسان نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں "سام"، "حام"، "یافث" کی اولاد ہیں۔ "وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَہٗ ھُمُ الْبٰقِیْنَ" طوفان سے جو بچے اور حیوانات ہلاک ہوئے، اُن کا اہلاک بطور تعذیب تھا بلکہ جیسے خدا دوسرے اسباب طبیعیہ کے ذریعہ سے اُن پر موت وارد کرتا ہے اور وہ ظلم نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہاں اُن کی موت اس ذریعہ سے واقع ہوئی آخر اب بھی جو سیلاب اور طوفان آتے ہیں اُن میں کتنے جانور اور بچے ہلاک ہو جاتے ہیں۔

ف۱ نوح علیہ السلام نے یہ کس وقت عرض کیا، کنعان کے غرق ہونے سے پہلے یا غرق ہونے کے بعد، دونوں احتمال ہیں۔ نیز کنعان کو اُس کی منافقانہ اوضاع واطوار دیکھ کر غلط فہمی سے مومن سمجھ رہے تھے یا کافر سمجھتے ہوئے بارگاہِ رب العزت میں یہ گذارش کی۔ دونوں باتوں کا امکان ہے۔ اگر مومن سمجھ کر غرقابی سے پہلے عرض کیا تھا تو مقصود اپنی اضطرابی کیفیت کا اظہار اور خدا سے کہہ کر اُس کے بچاؤ کا انتظام کرنا تھا۔ اور اگر غرقابی کے بعد یہ گفتگو ہوئی تو محض معاملہ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے اپنا خلجان یا اشکال پیش کیا۔ یعنی خداوندا! تو نے میرے گھر والوں کو بچانے کا وعدہ کیا تھا اور کنعان مومن ہونے کی وجہ سے "اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ" کے استثناء میں بظاہر داخل نہیں۔ پھر اُسکی غرقابی کا راز کیا ہے؟ بلاشبہ آپ کا وعدہ سچا ہے۔ کسی کو یہ خیال نہیں گذر سکتا کہ معاذ اللہ وعدہ خلافی کی ہو۔ آپ احکم الحاکمین اور شہنشاہ مطلق ہیں۔ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ کسی کو حق نہیں کہ آپ کے فیصلہ کے سامنے دم مار سکے، یا آپ کو وعدہ خلافی پر مجبور کر دے، نہ کسی کا یہ منصب ہے کہ آپ کے حکم ناطق کے متعلق کسی قسم کی نکتہ چینی کر سکے۔ فقط قلبی اطمینان کے لئے بطریق استعلام و استفسار اس واقعہ کا راز معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا یہ اُن گھر والوں میں سے نہیں جن کے بچانے کا وعدہ تھا۔ بلکہ "اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ" میں شامل ہے۔ کیونکہ اُسکے عمل خراب ہیں۔ تم کو اُسکے کفر و شرک کی خبر نہیں۔ مقامِ تعجب ہے کہ پیغمبرانہ فراست کی روشنی میں صریح آثار کفر کے باوجود ایک کافر کا حال مشتبہ رہے۔ جس شخص کا واقعی حال تمہیں معلوم نہیں اُس کے بارہ میں ہم سے ایسی نامناسب رعایت یا اس طرح کی کیفیت مت طلب کرو۔ مقربین کو لائق نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے ادب ناشناس جاہلوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔ آیت کی یہ تقریر اُس صورت میں ہے کہ نوح علیہ السلام کنعان کو مومن سمجھتے ہوں اور اگر کافر سمجھتے تھے تو شاید اس درخواست یا سوال کا منشاء یہ ہو کہ "انجاء" کے ذکر میں "اہل" کو چونکہ عام مومنین سے الگ کر کے بیان فرمایا تھا اس سے نوح علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ میرے اہل کو اس دنیوی عذاب سے محفوظ رکھنے کے لئے ایمان شرط نہیں اور "اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ" مجمل تھا۔ اس لئے اُس کے مصداق کی تعیین نہیں کر سکے۔ بناءً علیہ شفقت پدری کے جوش میں عرض کیا کہ الٰہ العالمین! میرا بیٹا یقیناً میرے اہل میں داخل ہے جسکے بچانے کا آپ وعدہ فرما چکے ہیں پھر یہ کیوں غرق کیا جا رہا ہے یا غرق کر دیا گیا۔ جواب ملا کہ تمہارا پہلا ہی مقدمہ (ان ابنی من اہلی) غلط ہے۔ جس اہل کے بچانے کا وعدہ تھا اُس میں یہ داخل نہیں۔ کیونکہ اس کے کرتوت بہت خراب ہیں نیز "اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ" کے مصداق کا تم کو کچھ علم نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ پھر جس چیز کا علم تم نہیں رکھتے اُس کی نسبت ایسے محاجّہ کے رنگ میں سوال یا درخواست کرنا تمہارے لئے زیبا نہیں۔

مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ
تیرے گھر والوں میں اُس کے کام ہیں خراب سو مت پوچھ مجھ سے جو
لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٤٦﴾
تجھ کو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جائے تو جاہلوں میں ف۱
قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَ
بولا اے رب میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو مجھ کو ف۲ اور
إِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٤٧﴾ قِيلَ يَا نُوحُ
اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں نقصان والوں میں ف۳ حکم ہوا اے نوح
اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِمَّنْ مَعَكَ ۚ
اُتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ تجھ پر اور اُن فرقوں پر جو تیرے ساتھ ہیں
وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٨﴾ تِلْكَ
اور دوسرے فرقے ہیں کہ ہم فائدہ دینگے اُنکو پھر پہنچیگا اُن کو ہماری طرف سے عذاب دردناک ف۴ یہ باتیں
مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ
منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف نہ تجھ کو اُن کی خبر تھی
وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا ۖ فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾
اور نہ تیری قوم کو اس سے پہلے ف۵ سو تو صبر کر البتہ انجام بھلا ہے ڈرنے والوں کا ف۶
وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ
اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا اُن کے بھائی ہود کو بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی تمہارا
إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ
حاکم نہیں سوائے اُسکے تم سب جھوٹ کہتے ہو ف۷ اے قوم میں تم سے نہیں مانگتا
عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾
اُس پر مزدوری میری مزدوری اُسی پر ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا ف۸ پھر کیا تم نہیں سمجھتے ف۹

ف۲ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "آدمی وہ ہی پوچھتا ہے جو معلوم نہ ہو لیکن مرضی معلوم ہونی چاہئے یہ کام جاہل کا ہے کہ برائے کی مرضی پوچھنے کی نہ دیکھے، پھر پوچھے "مرضی کیوں نہ تھی؟" اسکو ہم فائدہ گذشتہ میں بیان کر چکے ہیں۔

ف۳ حضرت نوح کانپ اُٹھے اور توبہ کی، لیکن یہ نہ کہا کہ پھر ایسا نہ کرونگا کہ اس میں دعویٰ نکلتا ہے۔ بندہ کو کیا مقدور ہے۔ چاہئے اُسی کی پناہ مانگے کہ مجھ سے پھر نہ ہو اور دل میں عزم نہ کرنے کا رکھے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور یونس علیہ السلام وغیرہ کی توبہ کے جو الفاظ قرآن میں نقل ہوئے ہیں اُن میں یہ ہی ادب ملحوظ رہا ہے۔

ف۴ یعنی کشتی سے "جودی" پر۔ پھر "جودی" سے زمین پر اُترے۔ برکتیں اور سلامتی آیندہ تم پر اور اُن اقوام پر رہیگی جو تمہارے ساتھیوں سے پیدا ہونے والی ہیں۔ فی الحال جو زمین طوفان سے بالکل اُجڑ گئی ہے خدا دوبارہ آباد کر دیگا اور اُسکی رونق و برکت پھر عود کر آئیگی "سلامت" کے لفظ سے گویا حق تعالیٰ نے تسلی فرما دی کہ پھر ساری نوع انسانی پر قیامت سے پہلے ایسی عام ہلاکت نہ آئیگی، مگر بعضے فرقے ہلاک ہونگے۔ ف۵ یعنی یہ دلائل نبوت میں سے ہے کہ ایک اُمّی کی زبان سے اُمم سابقہ کے ایسے مستند و مفصل واقعات سنوائے جائیں۔ ف۶ جیسے نوح اور اُن کے رفقاء کا انجام بھلا ہوا آپ کے ساتھیوں کا مستقبل بھی نہایت تابناک اور کامیاب ہے۔ آپ کفار کی ایذاؤں پر صبر کریں، گھبرا کر تنگدل نہ ہوں جیسے نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو برس صبر کیا۔ ف۷ کہ پتھر کے "بت"، بھی بااختیار حاکم بلکہ معبود ہیں۔ سورۂ "اعراف" میں قوم "ہود" کا قصہ گذر چکا۔ ف۸ یعنی تمہارے مال کی مجھے ضرورت نہیں۔ میرا پیدا کرنے والا ہی تمام دنیوی ضروریات اور اُخروی اجر و ثواب کا کفیل ہے۔ یہ بات ہر ایک پیغمبر نے اپنی قوم سے کہی تاکہ نصیحت بے لوث اور مؤثر ہو۔ لوگ اُن کی محنت کو دنیوی طمع پر محمول نہ کریں۔ ف۹ یعنی اس قدر غبی ہو، اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ایک شخص بے طمع بے غرض، محض دردمندی اور خیر خواہی سے تمہاری فلاح دارین کی بات کہتا ہے۔ تم اُسے دشمن اور بدخواہ سمجھ کر دست و گریباں ہوتے ہو۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ

اور اے قوم گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع کرو اُسی کی طرف ف۱ چھوڑیگا تم پر آسمان

عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا

سے دھاریں ف۲ اور زیادہ دیگا تم کو زور پر زور اور رُوگردانی نہ کرو

مُجْرِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ

گنہگار ہوکر ف۳ بولے اے ہود تو ہمارے پاس کوئی سند لے کر نہیں آیا اور ہم نہیں چھوڑنے والے

اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٣﴾ اِنْ نَّقُوْلُ

اپنے ٹھاکروں (معبودوں) کو تیرے کہنے سے اور ہم نہیں تجھ کو ماننے والے ف۴ ہم تو یہی کہتے ہیں

اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ

کہ تجھ کو آسیب پہنچایا ہے کسی ہمارے ٹھاکروں (معبودوں) نے بُری طرح ف۵ بولا میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو

وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ

اور تم گواہ رہو کہ میں بیزار ہوں اُن سے جن کو تم شریک کرتے ہو اُس کے سوا، سو بُرائی کرو میرے حق میں

جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٥٥﴾ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ

تم سب مل کر پھر مجھ کو مہلت نہ دو میں نے بھروسہ کیا اللہ پر جو رب ہے میرا اور تمہارا

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ

کوئی نہیں زمین پر پاؤں دھرنے والا مگر اللہ کے ہاتھ میں ہے چوٹی اُس کی بیشک میرا رب ہے سیدھی

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٦﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ

راہ پر ف۶ پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو میں پہنچا چکا تم کو جو میرے ہاتھ بھیجا تھا تمہاری طرف

وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا ؕ اِنَّ رَبِّيْ

اور قائم مقام کریگا میرا رب کوئی اور لوگ اور نہ بگاڑ سکوگے اللہ کا کچھ تحقیق میرا رب ہے

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ

ہر چیز پر نگہبان ف۷ اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے ہود کو اور جو لوگ

ف۱ اسی سورت کے شروع میں اس جُملہ کی تفسیر گذر چکی۔ ف۲ یعنی موقع بہ موقع خوب بارشیں دیگا۔ وہ قوم چونکہ کھیتی باغ لگانے سے بڑی دلچسپی رکھتی تھی اس لئے ایمان لانے کے ظاہری فوائد و برکات وہ بیان کئے جو اُن کے حق میں خصوصی طور پر موجبِ ترغیب ہوں۔ لکھتے ہیں کہ وہ لوگ تین سال سے خشک سالی اور امساک باراں کی مصیبت میں گرفتار تھے۔ ہود علیہ السلام نے وعدہ کیا کہ ایمان لاکر خدا کی طرف رجوع ہوگے تو یہ مصیبت دُور ہو جائیگی۔ ف۳ یعنی مالی اور بدنی قوت بڑھائیگا، اولاد میں برکت دیگا۔ خوشحالی میں ترقی ہوگی، اور مادی قوت کے ساتھ روحانی و ایمانی قوت کا اضافہ کر دیا جائیگا۔ بشرطیکہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اُس کی اطاعت سے مجرموں کی طرح رُوگردانی نہ کرو۔

ف۴ یہ اُنکی کھلی ہٹ دھرمی تھی جو کہتے تھے کہ آپ کوئی واضح سند اور دلیل اپنی صداقت کی نہیں لائے۔ خدا جسے پیغمبری کے عہدہ پر فائز کرے ضرور ہے کہ اُسکو تقرر کی سند اور پروانہ عطا فرمائے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو نبی مبعوث ہوا اُس کے ساتھ ایسے واضح نشان بھیجے گئے جس پر آدمی ایمان لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔ اس لئے بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ ہود علیہ السلام نے نشان پیش کئے ہونگے، مگر وہ لوگ ہٹ دھرمی اور بےحیائی سے یہ ہی کہتے رہے کہ آپ کوئی کھلا ہوا نشان نہیں لائے (شاید یہ مراد ہو کہ ایسا نشان نہ لائے جو سب کی گردنیں پکڑ کر ایمان لانے پر مجبور کر دے) بہرحال ہم محض تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ نہ کبھی تیری رسالت پر ایمان لا سکتے ہیں۔

ف۵ یعنی یہ جو تم بہکی بہکی باتیں کرتے ہو اور سارے جہان کو بیوقوف بتلا کر اپنا دشمن بنا رہے ہو۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہمارے دیوتاؤں میں سے کسی نے آسیب پہنچا کر تمہیں مجنون اور پاگل کر دیا ہے (العیاذ باللہ) تم جو اُن کی عبادت سے روکتے اور بُرا بھلا کہتے تھے، انہوں نے اس گستاخی کی سزا دی کہ اب تم بالکل دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگے۔

ف۶ یعنی وہ بیچاری پتھر کی مورتیں تو مجھے کیا گزند پہنچا سکتیں، تم سب جو بڑے شہ زور، تنومند اور طاقتور نظر آتے ہو اپنے دیوتاؤں کی فوج میں بھرتی ہو کر اور مجھ جیسے یکہ و تنہا پر پوری قوت سے یک وقت ناگہاں حملہ کر کے بھی میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ سنو میں خدا کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں اور تم سب بھی اس پر گواہ رہو کہ میں تمہارے جھوٹے دیوتاؤں سے قطعًا بیزار ہوں۔ تم سب جمع ہو کر جو بُرائی مجھے پہنچا سکتے ہو پہنچاؤ نہ ذرا کوتاہی کرو نہ ایک منٹ کی مجھے مہلت دو۔ اور خوب سمجھ لو کہ میرا بھروسہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ہے جو میرا رب ہے اور وہ ہی تمہارا بھی مالک و حاکم ہے۔ گو بدفہمی سے تم نہیں سمجھتے۔ نہ صرف میں اور تم بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز جو زمین پر چلتی ہے خالص اس کے قبضہ اور تصرف میں ہے گویا اُن کے سر کے بال اُس کے ہاتھ میں ہیں۔ جدھر چاہے پکڑ کر کھینچا اور پھیر دے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اُسکے قبضۂ اختیار سے نکل کر بھاگ جائے۔ نہ ظالم اُس کی گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں نہ سچے اُس کی پناہ میں رہ کر رسوا ہو سکتے ہیں۔ بلاشبہ میرا پروردگار عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر ہے اُسکے یہاں نہ ظلم ہے نہ بے موقع انعام، اپنے بندوں کو نیکی اور خیر کی جو سیدھی راہ اُس نے بتلائی، بیشک اُسی پر چلنے سے وہ ملتا ہے اور اُس پر چلنے والوں کی حفاظت کرنے کے لئے خود ہر وقت وہاں موجود ہے۔

ف۷ یعنی ایسی صاف اور کھری باتیں سُن کر بھی نہ مانو گے تو اب میرا کچھ نقصان نہیں۔ میں فرض تبلیغ پوری طرح ادا کر چکا۔ تم اپنی فکر کر لو۔ ضرور ہے کہ اس قسم کی ہٹ دھرمی اور تعصّب و عناد پر آسمان سے عذاب آئے جو تم کو ہلاک کر ڈالے۔ خدا کی زمین تمہاری تباہی سے ویران نہ ہوگی۔ وہ دوسرے لوگوں کو تمہارے اموال وغیرہ کا وارث بنا دیگا۔ تمہارا قصہ ختم کر دینے سے یاد رکھو خدا کا یا اُسکے پیغمبروں کا کچھ نہیں بگڑتا نہ اُس کا ملک خراب ہوتا ہے۔ جب وہ ہر چیز کا محافظ و نگہبان ہے تو ہر قابلِ حفاظت چیز کی حفاظت کے سامان اپنی قدرت کاملہ سے کر دیگا۔

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۵۸

ایمان لائے تھے اسکے ساتھ اپنی رحمت سے اور بچا دیا اُن کو ایک بھاری عذاب سے ف۱

وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا

اور یہ تھے عاد کہ منکر ہوئے اپنے رب کی باتوں سے اور نہ مانا اُس کے رسولوں کو اور مانا

اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۵۹ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّ

حکم اُن کا جو سرکش تھے مخالف ف۲ اور پیچھے سے آئی اُن کو اِس دنیا میں پھٹکار اور

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ

قیامت کے دن بھی ف۳ سُن لو عاد منکر ہوئے اپنے رب سے سُن لو پھٹکار ہے عاد کو

قَوْمِ هُوْدٍ ۶۰ ع ۵ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا

جو قوم تھی ہُود کی ف۴ اور ثمود کی طرف بھیجا اُن کا بھائی صالح ف۵ بولا اے قوم بندگی کرو

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

اللہ کی کوئی حاکم نہیں تمہارا اُس کے سوا اُسی نے بنایا تم کو زمین سے ف۶

وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ

اور بسایا تم کو اس میں سو گناہ بخشواؤ اُس سے اور رجوع کرو اُس کی طرف، تحقیق میرا رب

قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۶۱ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ

نزدیک ہے قبول کرنیوالا ف۷ بولے اے صالح تجھ سے تو ہم کو امید تھی اس سے پہلے

اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا

کیا تو ہم کو منع کرتا ہے کہ پرستش کریں جن کی پرستش کرتے رہے ہمارے باپ دادے، اور ہم کو تو شبہ ہے اسمیں جس کی

تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۶۲ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى

طرف تو بُلاتا ہے ایسا کہ دل نہیں مانتا ف۸ بولا اے قوم بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو سمجھ

بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ

مل گئی اپنے رب کی طرف سے، اور اُس نے مجھ کو دی رحمت اپنی طرف سے، پھر کون بچائے مجھ کو اُس سے

ف۱ یعنی سات رات اور آٹھ دن مسلسل آندھی کا طوفان آیا جیسا کہ سورۂ "اعراف"، میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ مکان گر گئے، چھتیں اُڑ گئیں، درخت جڑ سے اُکھڑ کر کہیں کے کہیں جا پڑے۔ ہوا ایسی سموم تھی کہ آدمیوں کی ناک میں داخل ہو کر نیچے سے نکل جاتی اور جسم کو پارہ پارہ کر ڈالتی تھی۔ اُس ہولناک عذاب سے ہم نے ہود علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو جو آخر میں چار ہزار تک پہنچ گئے تھے بالکل محفوظ رکھا اور ایمان و عمل صالح کی بدولت آخرت کے بھاری عذاب سے بھی اُن کو نجات دے دی۔

ف۲ یعنی اُن کے کھنڈرات کو چشمِ عبرت سے دیکھو کہ یہ وہ قوم "عاد" تھی جن کے بڑوں نے بہت طمطراق سے اپنے پروردگار کی باتوں کا مقابلہ کیا اور اُس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی۔ اور چھوٹوں نے بڑے شیطانوں کی پیروی کی۔ آخر دونوں تباہ و برباد ہوئے۔ (تنبیہ) "رُسُلَهٗ"، شاید اس لئے فرمایا کہ ایک کی تکذیب سب پیغمبروں کی تکذیب ہے۔ کیونکہ توحید وغیرہ اصول دین میں سب متفق اور ایک دوسرے کے مصدق ہیں۔

ف۳ یعنی خدا کی لعنت (پھٹکار) دنیا میں اُن کے پیچھے لگا دی گئی کہ جہاں جائیں ساتھ جائے۔ اور قیامت تک جہاں اُن کا ذکر ہو لعنت کے ساتھ ہو، بلکہ قیامت کے بعد بھی وہ اِن کا پیچھا نہ چھوڑیگی لعنت کا طوق ہمیشہ اُنکے گلے میں پڑا رہیگا۔

ف۴ بعض مفسرین نے کہا کہ قیامت کے دن یوں پُکارا جائے گا۔ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا الخ (تنبیہ) "عاد"، کے ساتھ "قوم ہود"، کا لفظ یا تو اس لئے بڑھایا کہ دونوں کا تصوّر سننے والے کے دماغ میں ساتھ ساتھ آئے۔ یعنی "ہود"، کا کیا حال تھا، اور یہ اسی کی قوم تھی جس کا حشر یہ ہوا۔ اور ممکن ہے اس پر تنبیہ کرنا ہو کہ "عاد"، دو ہیں "اولیٰ"، اور "اُخریٰ"۔ اسی لیئے ایک جگہ فرمایا۔ "وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ۨ الْاُوْلٰى"، (النجم۔ رکوع ۳) یہاں "عاد اولیٰ"، مراد ہے جس کی طرف "ہود"، مبعوث ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

ف۵ اِن کا قصہ "اعراف"، میں گذر چکا۔

ف۶ یعنی اوّل آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر زمین سے غذائیں پیدا کیں جن سے نطفہ وغیرہ بنتا ہے جو مادہ ہے آدمی کی پیدائش کا۔

ف۷ یعنی پیدا کر کے باقی رکھا۔ بقاء کا سامان کیا۔ زمین کے آباد کرنے کی ترکیبیں بتلائیں۔ تدابیر الہام فرمائیں، جب وہ ایسا منعم و محسن ہے، تو چاہیئے آدمی اُسی کی طرف ایمان و طاعت کے ساتھ رجوع کرے اور کفر و شرک وغیرہ جو گناہ کر چکا ہے اُن کی معافی چاہے، وہ ہم سے بالکل نزدیک ہے، ہر بات خود سنتا ہے اور جو توبہ و استغفار صدق دل سے کیا جائے اُسے سُن کر قبول کرتا ہے۔

ف۸ یعنی تجھ سے امید تھی کہ آگے چل کر بڑا فاضل اور نیک مرد ہوگا جس کو معزز بزرگوں کا جانشین سمجھ کر قوم سر پر بٹھائے گی۔ تیری پیشانی سے رُشد و صلاح کے آثار ہویدا تھے۔ سب کو توقع تھی، کہ مستقبل قریب میں بڑا فائدہ تجھ سے پہنچیگا۔ رائے و تدبیر، صلاح و مشورہ سے اپنے قومی بھائیوں کی رہنمائی اور نہایت قوتِ قلب کے ساتھ آبائی مذہب کی حمایت و تائید کریگا۔ یہ درست ہے کہ ابتداء سے تجھ کو بُت پرستی مبغوض تھی اور عام قومی مذہب سے الگ تھلگ رہتا تھا تاہم تیری سمجھ اور فطری قابلیت پر اعتماد کر کے ہم کو امید رہی کہ آگے چل کر عقل و تجربہ کی پختگی کے بعد یہ روش نہ رہیگی لیکن افسوس یک بیک تو ایسی باتیں کرنے لگا جس نے تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ تو نے ہمارے آباؤ اجداد کے قدیم مذہب کے خلاف علانیہ جہاد شروع کر کے سب توقعات خاک میں ملا دیں۔ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ہم ایک خدا کو لے کر سارے پُرانے دیوتاؤں کو چھوڑ بیٹھیں۔ ہمارے نزدیک بزرگوں کی روش کے خلاف ایسا مسلک اختیار کرنا سخت شبہ کی چیز ہے جسے ہمارا دل کسی طرح نہیں مانتا۔ "موضح القرآن"، میں ہے "یعنی ہونہار لگتا تھا کہ باپ دادے کی راہ روشن کریگا۔ تو لگا مٹانے"۔

ف۱ یعنی تمہارے شک وشبہ کی وجہ سے میں ایک صاف راستہ کیسے چھوڑ سکتا ہوں - خدا نے مجھ کو سمجھ دی اور اپنی رحمت عظیمہ سے منصب پیغمبری عطا کیا - اب اگر فرض کیجئے میں اُسکی نافرمانی کرنے لگوں اور جن چیزوں کے پہنچانے کا حکم ہے نہ پہنچاؤں تو مجھ کو اُس کی سزا سے کون بچالیگا -

اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿٦٣﴾ وَيٰقَوْمِ
اگر اُسکی نافرمانی کروں ف۱ سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے نقصان کے ف۲ اور اے قوم

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَ
یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لئے نشانی سو چھوڑ دو اُس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور

لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ
مت ہاتھ لگاؤ اُسکو بُری طرح پھر تو آپکڑیگا تم کو عذاب بہت جلد پھر اُسکے پاؤں کاٹے تب کہا

تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۗ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾
فائدہ اُٹھالو اپنے گھروں میں تین دن یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا ف۳

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ
پھر جب پہنچا حکم ہمارا بچا دیا ہم نے صالح کو اور جو ایمان لائے اُسکے ساتھ اپنی رحمت سے

مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾ وَ
اور اُس دن کی رسوائی سے ف۴ بیشک تیرا رب وہی ہے زور والا زبردست ف۵ اور

اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾
پکڑ لیا اُن ظالموں کو ہولناک آواز نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۗ اَلَا بُعْدًا
جیسے کبھی رہے ہی نہ تھے وہاں ف۶ سُن لو ثمود منکر ہوئے اپنے رب سے سُن لو پھٹکار ہے

ع ۶ لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا
ثمود کو ف۷ اور البتہ آچکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے

سَلٰمًا ۗ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾
سلام وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا ف۸

فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ
پھر جب دیکھا اُن کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر تو کھٹکا اور دل میں اُن سے

ف۲ یعنی بجائے اس کے کہ اپنے سچے خیر خواہ اور محسن کی قدر کرتے مجھے فرائض دعوت و تبلیغ سے رُک جانے کا مشورہ دے کر ناقابل تلافی نقصان پہنچانا چاہتے ہو بعض سلف نے اس جُملہ کا مطلب یہ لیا ہے کہ تمہاری گفتگو سے مجھ میں کوئی چیز نہیں بڑھتی بجز اس یقین کے کہ تم اپنا سخت نقصان کر رہے ہو - مگر سیاق کے مناسب پہلے معنی ہیں -

ف۳ حضرت صالح علیہ السلام سے قوم نے معجزہ طلب کیا تھا - وہ انہیں دکھلا دیا - اس واقعہ کی پوری تفصیل اور الفاظ کی تشریح سورۂ "اعراف" میں آٹھویں پارہ کے ختم پر گذر چکی ہے - وہاں ملاحظہ کر لی جائے -

ف۴ یعنی جب حکم عذاب پہنچا تو ہم نے "صالحؑ" اور اُنکے ساتھیوں کو بچا دیا - اور کاہے سے بچا دیا؟ اُس دن کی رُسوائی سے، "وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ"، "نَجَّيْنَا" کی شرح و تفصیل ہے؟

ف۵ یعنی جسے چاہے ہلاک کر دے اور جسے چاہے بچا دے -

ف۶ یعنی بے نام و نشان ہو گئے - حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ان پر عذاب آیا اس طرح کہ رات کو پڑے سوتے تھے فرشتہ نے چنگھاڑ ماری سب کے جگر پھٹ گئے "، بعض آیات میں "رَجْفَة" کا لفظ آیا ہے - یعنی "زلزلہ" یا "کپکپی" سے ہلاک ہوئے - سورہ "اعراف" میں ہم اس کے متعلق تطبیق کی صورت لکھ چکے ہیں -

ف۷ یعنی جو اپنے پروردگار کی آیات و احکام سے منکر ہو اُس کی یہ گت بنتی ہے اور ایسی پھٹکار پڑتی ہے - سُن کر عبرت حاصل کرو -

ف۸ اس سورت کے قصص کی ترتیب "اعراف" کی ترتیب کے موافق ہے - صرف قوم لُوط کے قصہ سے پہلے یہاں ابراہیم علیہ السلام کا تھوڑا سا قصہ بیان فرمایا ہے - مگر تعبیر ایسی رکھی جو ظاہر کرتی ہے کہ مقصود اصلی لُوط علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا ہے چونکہ اُس میں اور ابراہیم کے قصہ میں کئی طرح کی مناسبت اور تعلق پایا جاتا تھا اس لئے بطور تمہید و توطیہ ابراہیم کا قصہ مذکور ہوا - لُوط علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے خالہ زاد بھائی ہیں جو آپکے ہمراہ عراق سے ہجرت کر کے آئے - ایک ہی جماعت فرشتوں کی دونوں کے پاس بھیجی گئی - حضرت ابراہیم نے قوم لوط کی ہلاکت کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث کی جو آگے آتی ہے - یہ فرشتے نہایت حسین و جمیل نوجوانوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کی طرف جاتے ہوئے حضرت ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے کہ حق تعالیٰ نے اُن کو اپنا خلیل بنایا ہے اور اس بڑھاپے میں حضرت "سارہ" کے بطن سے بیٹا عطا کرنے والا ہے - نیز یہ کہ قوم لوط کے بدمعاشوں اور ظالموں کے وجود سے عنقریب دنیا پاک کر دی جائیگی جسمیں حضرت ابراہیمؑ و حضرت لوطؑ کے متبعین کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچیگا - فرشتوں نے ابراہیمؑ کو سلام کیا - آپنے جواب دیا - مگر اول وہلہ میں پہچان نہ سکے - جیسے ابتداءً حضرت لوطؑ نے بھی اُنکو نہیں پہچانا (بلکہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ جبریلؑ آدمی کی شکل میں حضور صلعم سے سوال و جواب کرتے رہے، جب اُٹھ کر چلے گئے تب آپ کو بتلایا گیا کہ یہ جبریلؑ تھے) گویا متنبہ کر دیا کہ نبی کو بھی فرشتہ وغیرہ کا علم ضروری خدا کے دینے سے ہوتا ہے - وہ کسی وقت مخفی رکھنا چاہے تو کسی کی قدرت نہیں کہ معلوم کر سکے - بہرحال ابراہیم علیہ السلام انہیں آدمی سمجھ کر مہمان نوازی کے لئے اُٹھے اور نہایت فربہ بچھڑا بھون تل کر سامنے حاضر کیا -

ف۱ کہ آخر یہ کون ہیں، کس غرض سے آئے ہیں، ہم کھانا پیش کرتے ہیں، یہ اُسے ہاتھ نہیں لگاتے۔ اُس وقت کے دستور کے موافق جو مہمان کھانے سے انکار کرتا، سمجھا جاتا تھا کہ یہ کسی اچھے خیال سے نہیں آیا۔ ابراہیم علیہ السلام گھبرائے کہ اگر آدمی ہیں تو کھانے سے انکار کرنا ضرور کچھ معنی رکھتا ہے اور فرشتے ہیں تو نہ معلوم کس مطلب کے لئے بھیجے گئے ہیں، آیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی یا میری قوم کے حق میں کوئی ناخوشگوار چیز لے کر آئے۔ اسی حیص وبیص میں زبان سے اظہار بھی کر دیا۔ "اِنَّا مِنكُمْ وَجِلُوْنَ" (حجر۔ رکوع ۴) یعنی ہم کو تم سے اندیشہ ہے۔ عموماً مفسرین نے ابراہیمؑ کے خوف کی یہ ہی توجیہات کی ہیں۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے میرے نزدیک نہایت لطیف توجیہ کی۔ "کہ فرشتوں کے ساتھ جو عذاب الٰہی تھا اور شان غضب وانتقام کے مظہر بنکر قوم لوط کی طرف جا رہے تھے اس کا طبعی اثر یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ایک طرح کے خوف وخشیت کی کیفیت طاری ہوئی، جس کا اظہار انہوں نے "اِنَّا مِنكُمْ وَجِلُوْنَ" کہہ کر کیا یعنی ہم کو تم سے ڈر لگتا ہے۔ واللہ اعلم۔

خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَأَتُهُ

ڈرا ف۱ وہ بولے مت ڈر ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں طرف قوم لوط کی ف۲ اور اسکی عورت

قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ

کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اُس کو اسحٰق کے پیدا ہونیکی اور اسحٰق کے پیچھے

يَعْقُوبَ ﴿٧١﴾ قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۖ

یعقوب کی ف۳ بولی اے خرابی کیا میں بچہ جنونگی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا بوڑھا ف۴

إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۖ

یہ تو ایک عجیب بات ہے ف۵ وہ بولے کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے

رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ

اللہ کی رحمت ہے اور برکتیں تم پر اے گھر والو تحقیق اللہ ہے تعریف کیا گیا

مَّجِيدٌ ﴿٧٣﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ

بڑائیوں والا ف۶ پھر جب جاتا رہا ابراہیم سے ڈر اور آئی اُس کو خوشخبری

يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٤﴾ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ﴿٧٥﴾

جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں البتہ ابراہیم تحمل والا نرم دل ہے رجوع رہنے والا

يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ

اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال وہ تو آچکا حکم تیرے رب کا اور اُن پر

آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٧٦﴾ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا

آتا ہے عذاب جو لوٹایا نہیں جاتا ف۸ اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس

سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٧٧﴾

غمگین ہوا اُن کے آنے سے اور تنگ ہوا دل میں اور بولا آج دن بڑا سخت ہے ف۹

وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِن قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ

اور آئی اُسکے پاس قوم اُسکی دوڑتی بے اختیار اور آگے سے کر رہے تھے

ف۲ یعنی ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہم فرشتے ہیں جو "قوم لوط" کو تباہ کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ آپ کچھ اندیشہ ضرر کا نہ کیجئے۔

ف۳ یعنی حضرت سارہ جو مہمانوں کی خدمت گذاری یا اور کسی کام کے لئے وہاں کھڑی تھیں اُس ڈر کے رفع ہونے سے خوش ہو کر ہنس پڑیں حق تعالیٰ نے خوشی پر اور خوشیاں سنائیں کہ تجھ کو اس عمر میں بیٹا ملیگا۔ (اسحٰق علیہ السلام) اور اُس کی نسل سے ایک پوتا یعقوب عطا ہوگا۔ جس سے ایک بڑی بھاری قوم بنی اسرائیل اٹھنے والی ہے یہ بشارت حضرت سارہ کو شاید اس لئے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیم کے ایک بیٹا (اسمٰعیل علیہ السلام) حضرت ہاجرہ کے بطن سے پہلے ہی موجود تھا۔ سارہ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔ مگر بوڑھی ہو کر مایوس ہو چکی تھی۔ اُس وقت یہ بشارت ملی بعض علماء نے حضرت سارہ کے ہنسنے کی اور بھی توجیہات کی ہیں مگر ظاہر وہ ہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ علماء نے "وَمِنْ وَّرَاءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ" سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحٰق "ذبیح" نہ تھے۔ اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔ (راجع ابن کثیر)

ف۴ یہاں "يٰوَيْلَتٰى" کا لفظ ایسا ہے جیسے ہمارے محاورات میں عورتیں کہہ دیتی ہیں کہ میں "نگوڑی" کیا اس بڑھاپے میں اولاد جنوں گی حضرت سارہ کی عمر کہتے ہیں اس وقت ننانوے سال تھی اور حضرت ابراہیم سو سال یا اس سے بھی متجاوز تھے۔

ف۵ یعنی ایسا ہو تو بالکل انوکھی اور عجیب وغریب بات ہوگی۔

ف۶ یعنی جس گھرانے پر خدا کی اس قدر رحمتیں اور برکتیں نازل رہی ہیں اور جنہیں ہمیشہ معجزات وخوارق دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا، کیا اُن کے لئے یہ کوئی تعجب کا مقام ہے؟ ان کا تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے۔ انہیں لائق ہے کہ بشارت سُن کر تعجب کی جگہ خدا کی تحمید وتمجید کریں کہ سب بڑائیاں اور خوبیاں اُسی کی ذات میں جمع ہیں۔ (تنبیہ) بعض محققین نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھتے ہیں۔ اُس کے الفاظ میں اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔

ف۷ یعنی ادھر سے مطمئن ہوئے تو فوراً قوم لوط کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث شروع کر دی۔ جس کا خلاصہ سورۂ "عنکبوت" میں بیان فرمایا کہ فرشتوں نے ابراہیمؑ کو مطلع کیا کہ ہم ان بستیوں کو ہلاک کرنے آئے ہیں۔ ابراہیمؑ بولے کہ اُن میں تو خود لوط علیہ السلام موجود ہیں (پھر ایک پیغمبر کے اُن میں موجود ہوتے ہوئے کیسے ہلاک کئے جا سکتے ہیں؟) فرشتوں نے کہا ہم سب کو جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ لوطؑ اور اسکے متعلقین کو وہاں سے علیحدہ کر کے عذاب نازل کیا جائیگا۔ تفاسیر میں اس بحث کی جو تفاصیل بیان ہوئی ہیں اللہ جانے کہاں تک صحیح ہیں۔ بہرحال اسی بحث کو مبالغۃً لفظ "يُجَادِلُنَا" سے تعبیر فرمایا جس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی فطری شفقت، نرم خوئی اور رحمدلی سے اُس قوم پر ترس کھا کر حق تعالیٰ کی جناب میں کچھ سفارش کرنا چاہتے تھے اُسی کا جواب دیا کہ اس خیال کو چھوڑیئے ان ظالموں کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اب خدا کا حکم واپس نہیں ہو سکتا۔ عذاب آکر رہیگا جو کسی سفارش یا دعاء وغیرہ سے نہیں ٹل سکتا۔

ف۸ فرشتے نہایت حسین وجمیل بے ریش وبروت نوجوانوں کی شکل میں تھے۔ ابتداءً حضرت لوطؑ نے نہ پہچانا کہ فرشتے ہیں معمولی مہمان سمجھے۔ اُدھر اُس قوم کی بیحیائی اور خوئے بد معلوم تھی سخت فکر مند اور تنگ دل ہوئے کہ یہ بدمعاش ان مہمانوں کا پیچھا کرینگے۔ مہمانوں کو چھوڑنا بھی مشکل اور ان خبیثوں کے ہاتھوں سے چھڑانا بھی دشوار، گویا ساری قوم سے لڑائی مول لینا ہے۔

السَّیِّاٰتِؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا
بُرے کام ف۱ . بولا اے قوم یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تم کو اُن سے سو ڈرو تم

اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ (۷۸)
اللہ سے اور مت رسوا کرو مجھ کو میرے مہمانوں میں کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں نیک چلن ف۲

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا
بولے تو تو جانتا ہے ہم کو تیری بیٹیوں سے کچھ غرض نہیں اور تجھ کو تو معلوم ہے جو

نُرِیْدُ (۷۹) قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ (۸۰)
ہم چاہتے ہیں ف۳ کہنے لگا کاش مجھ کو تمہارے مقابلہ میں زور ہوتا، یا جا بیٹھتا کسی مستحکم پناہ میں ف۴

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ
مہمان بولے اے لُوط ہم بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے، ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک ف۵ سو لے نکل اپنے لوگوں کو

بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَؕ
کچھ رات سے اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی مگر عورت تیری

اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ
کہ اُس کو پہنچ کر رہیگا جو اُن کو پہنچے گا ف۶ اُن کے وعدہ کا وقت ہے صبح کیا صبح نہیں ہے

بِقَرِیْبٍ (۸۱) فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا
نزدیک ف۷ پھر جب پہنچا حکم ہمارا کر ڈالی ہم نے وہ بستی اُوپر نیچے اور برسائے ہم نے

عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ (۸۲) مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَؕ
اس پر پتھر کنکر کے ف۸ تہہ بہ تہہ ف۹ نشان کئے ہوئے تیرے رب کے پاس ف۱۰

وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ (۸۳) وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًاؕ
اور نہیں ہے وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور ف۱۱ اور مدین کی طرف بھیجا اُن کے بھائی شعیب کو

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗؕ وَلَا تَنْقُصُوا
بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اُسکے سوائے اور نہ گھٹاؤ

ع النصف

ف۱ یعنی اُس قوم کو نامعقول حرکتوں اور خلاف فطرت فواحش کی جو عادت پڑی ہوئی تھی کہاں چین سے بیٹھنے دیتی، وہ ایسے خوبصورت لڑکوں کی خبر پاتے ہی نہایت بیحیائی کے ساتھ لُوط علیہ السلام کے مکان پر اندھادھند بڑھ دوڑے اور پوری قوت وشدت سے مطالبہ کیا کہ مہمان اُن کے حوالے کر دیے جائیں کیونکہ ہم پہلے ہی منع کر چکے ہیں کہ تم کسی مرد کو اپنا مہمان نہ بنایا کرو۔ یہاں آنے والے مہمانوں کو ہم پر چھوڑ دو ہم جو چاہیں کریں۔ ف۲ حضرت لُوط نے مہمانوں کی آبرو بچانے کے لئے ہر قسم کی کوشش کی۔ آخری بات اُس شہوت پرست قوم سے یہ کہی کہ ظالمو! یہ میری بیٹیاں تمہارے لئے حاضر ہیں۔ نکاح ہو جانے پر ان سے بطریق حلال تمتع کر سکتے ہو جو نہایت پاکیزہ اور شائستہ طریقہ ہے۔ خدا سے ڈرنا چاہیئے کہ پاک اور مشروع طریقہ کو چھوڑ کر ایسے خلاف فطرت گندے کاموں میں مبتلا ہوتے ہو کم از کم میری ہی رعایت کرو کہ میں ان مقدس مہمانوں کے سامنے شرمندہ اور رسوا نہ ہوں۔ مہمان کی بے عزتی میزبان کی بے عزتی ہے۔ کیا تم میں ایک شخص بھی نہیں جو سیدھی سیدھی باتوں کو سمجھ کر نیکی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے (تنبیہ) "هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ" سے مُراد عام طور پر اُس قوم کی لڑکیاں ہیں جن کو تجوزاً "بیٹیاں" کہا گیا۔ کیونکہ پیغمبر اُمت کے حق میں روحانی باپ ہوتا ہے، اور وَیسے بھی محاورات میں قوم کے بڑے بوڑھے سب کی لڑکیوں کو "اپنی بیٹیاں" کہہ کر پکار سکتے ہیں۔ اور اگر خاص لوط علیہ السلام کی بیٹیاں مراد ہوں تو شاید اُن میں سے بعض ممتاز لوگوں کے نکاح کے لئے پیش کی ہونگی اُس وقت کافر کا نکاح مسلمان عورت سے جائز تھا بعض مفسّرین نے فرمایا کہ لوط علیہ السلام کا مقصود اس قول سے نکاح وغیرہ کچھ نہ تھا۔ بلکہ اُن کی زیادتیوں سے عاجز ہو کر مہمانوں کی آبرو بچانے کی دھن میں انتہائی تواضع سے یہ لفظ کہے۔ تاکہ اُن میں غیرت وحیاء کا کچھ شائبہ اور آدمیت کا کوئی ذرہ بھی موجود ہو تو یہ لفظ سُن کر جھینپ جائیں۔ اور نرمی اختیار کر لیں، مگر وہ ایسے حیادار کاہے کو تھے ؟ کان پر جوں بھی نہ رینگی۔ پہلے سے زیادہ بیباک ہو کر بے غیرتی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

ف۳ پھر اتنی حجت وتکرار کیوں کر رہا ہے۔ ہم اپنا ناپاک ارادہ پورا کئے بدون نہ ہٹیں گے۔

ف۴ لوط علیہ السلام کی زبان سے انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی میں بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ کاش مجھ میں بذاتِ خود تم سب سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا کوئی طاقتور اور مضبوط پناہ دینے والا ہوتا یعنی میرا کنبہ اور جتھا یہاں ہوتا۔ حدیث میں نبی کریم صلعم نے فرمایا "یَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا لَقَدْ کَانَ یَاْوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ" خدا لوط پر رحم فرمائے بیشک وہ مضبوط ومستحکم پناہ حاصل کر رہے تھے یعنی خداوند قدوس کی۔ مگر اُس وقت سخت گھبراہٹ اور بیحد ضیق کی وجہ سے اُدھر خیال نہ گیا۔ بے ساختہ ظاہری اسباب پر نظر گئی۔ لوطؑ کے بعد جو انبیاء مبعوث ہوئے سب بڑے جتھے اور قبیلے والے تھے۔

ف۵ جب لوط علیہ السلام کے اضطراب وقلق کی حد ہو گئی، تب مہمانوں نے کہا کہ حضرت آپ کس فکر میں ہیں مطلق پریشان نہ ہوں، ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو ان کو تباہ وہلاک کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ خبیث ہمارا تو کیا بگاڑ سکتے آپ تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ تفاسیر میں ہے کہ وہ شریر لوگ دروازہ توڑ کر یا دیوار پھاند کر اندر گھسے جاتے تھے، تب جبریل علیہ السلام نے خدا سے اجازت لے کر لُوط علیہ السلام کو علیحدہ بٹھا دیا اور ایک ذرا بازو اُن ملعونوں کی طرف ہلایا۔ جو سب کے سب نپٹ اندھے ہو گئے اور کہنے لگے کہ بھاگو! لوطؑ کے مہمان تو بڑے جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔

ف۶ یعنی صبح کو عذاب آنیوالا ہے۔ تھوڑی رات رہے آپ اپنے متعلقین کو لے کر یہاں سے تشریف لے جایئے اور اپنے ہمراہیوں کو ہدایت کر دیجئے کہ جلدی کریں اور کوئی پیچھے مُڑ کر بھی نہ دیکھے۔ ہاں تیری عورت کہ وہ ساتھ نہ جائیگی یا پیچھے پھر کر دیکھے گی۔ اس طرح اسی عذاب کی لپیٹ میں آجائیگی جو سب قوم کو پہنچنے والا ہے۔ کہتے ہیں اسی عورت نے قوم کو مہمانوں کی آمد سے مطلع کیا تھا۔ ف۷ یعنی خوش ہو جایئے اب ان ظالموں کے ہلاک ہونے میں کچھ دیر نہیں ہے صبح ہوتے ہی سب کا صفایا ہو جائیگا۔ ف۸ جبریل علیہ السلام نے اُن بستیوں کو اُٹھا کر آسمان کے قریب سے نیچے پٹک دیا۔ اس طرح سب بستیاں تہ وبالا ہو گئیں۔ پھر اُن کی نکایت اور ذلت ورسوائی کی پوری تکمیل کے لئے اوپر سے جھانوے اور پتھر برسائے گئے۔ شہر کی آبادی سے الگ جو افراد اس قوم کے جس جگہ تھے وہیں پتھروں سے ہلاک کئے گئے (العیاذ باللّٰہ) (تنبیہ) جو سزا اس قوم کو اُوپر نیچے کرنے کی ملی وہ انکی شرمناک حرکت سے ظاہری مناسبت بھی رکھتی ہے۔ ف۹ "منضود" کے معنی مترجم محقق رحمہ نے "تہ بہ تہ" کئے ہیں۔ بعض نے یہ معنی لئے کہ پتھر مسلسل یکے بعد دیگرے برس رہے تھے۔ ف۱۰ یعنی کوئی خاص علامت اُن پر تھی جو عام پتھروں سے ممتاز کر کے ظاہر کرتی تھی کہ یہ عذاب الٰہی کے پتھر ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر پتھر پر اُس کا نام درج تھا جس کی ہلاکت کا وہ سبب بنا۔ واللّٰہ اعلم۔ ف۱۱ یعنی باعتبار زمانہ کے بھی قریب ہے کیونکہ "عاد" و "ثمود" اور قومِ نوح وغیرہ کے بعد یہ واقعہ ہوا۔ اور باعتبار مکان کے بھی کیونکہ ان کی بستیاں مدینہ اور شام کے درمیان میں تھیں۔ گذرنے والے قافلے وہاں کھنڈرات مشاہدہ کرتے تھے۔ یا اس جملہ "وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ" کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کا عذاب ایسے ظالموں سے اب بھی کچھ دُور نہیں۔ ہمیشہ خدا کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ (تنبیہ) اس قصہ کے بعض اجزاء "اعراف" میں گذر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کئے جائیں۔

ف۱ یہ قصہ بھی سورۂ "اعراف" میں گذر چکا۔ ف۲ یعنی خدا نے فراغت اور آسودگی عنایت کی تو ڈرتے رہو کہیں نافرمانی سے چھن نہ جائے اور آسائش و خوشحالی سلب ہو کر دنیوی یا اُخروی عذاب مسلّط نہ کر دیا جائے۔ ف۳ یعنی اب تک جو ظلم و عُدوان کا معیار و قانون تھا، اُس کی اصلاح کرو۔ ف۴ یعنی صرف ماپ تول ہی میں نہیں بلکہ کسی چیز میں بھی لوگوں کے حقوق تلف مت کرو۔

الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّيٓ أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ
ماپ اور تول کو ف۱ مَیں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ حال اور ڈرتا ہوں تم پر

عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿۸۴﴾ وَيَٰقَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ
عذاب سے ایک گھیر لینے والے دن کے ف۲ اور اے قوم پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف سے ف۳

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ
اور نہ گھٹا دو لوگوں کو اُن کی چیزیں ف۴ اور مت مچاؤ زمین میں

مُفْسِدِينَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَآ
فساد ف۵ جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو اگر ہو تم ایمان والے ف۶ اور

أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوا يَٰشُعَيْبُ أَصَلَوٰتُكَ تَأْمُرُكَ أَن
مَیں نہیں ہوں تم پر نگہبان ف۷ بولے اے شعیب کیا تیرے نماز پڑھنے نے تجھ کو یہ سکھایا کہ

نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَآ أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِيٓ أَمْوَٰلِنَا مَا نَشَٰٓؤُا ۖ
ہم چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے، یا چھوڑ دیں کرنا جو کچھ کہ کرتے ہیں اپنے مالوں میں

إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِن كُنتُ
تو ہی بڑا باوقار ہے نیک چلن ف۸ بولا اے قوم دیکھو تو اگر مجھ کو

عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَآ أُرِيدُ
سمجھ آ گئی اپنے رب کی طرف سے اور اُس نے روزی دی مجھ کو نیک روزی ف۹ اور مَیں یہ نہیں چاہتا

أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَآ أَنْهَىٰكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَٰحَ
کہ بعد کو خود کروں وہ کام جو تم سے چھڑاؤں ف۱۰ مَیں تو چاہتا ہوں سنوارنا

مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ
جہاں تک ہو سکے اور بن آنا ہے اللہ کی مدد سے اُسی پر مَیں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف

أُنِيبُ ﴿۸۸﴾ وَيَٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيٓ أَن يُصِيبَكُم مِّثْلُ مَآ
میرا رجوع ہے ف۱۱ اور اے قوم نہ کمائیو میری ضد کر کے یہ کہ پڑے تم پر جیسا کچھ کہ

ف۵ یعنی شرک و کفر سے یا کم ناپنے تولنے سے یا دوسری طرح اتلاف حقوق اور ظلم و ستم کر کے زمین میں فساد مت مچاؤ۔ کہتے ہیں وہ لوگ ڈکیتی ڈالتے تھے اور امانت میں خیانت کرتے تھے۔

ف۶ ایک ایماندار کے لئے اللہ کا دیا ہوا جو ٹھیک ٹھیک حقوق ادا کر کے بچ رہے گو قلیل ہو، اُس کثیر سے بہتر ہے جو حرام طریقہ سے حاصل کیا جائے یا جس میں لوگوں کے حقوق مارے جائیں۔ مال حلال میں جو ٹھیک ماپ تول کر لیا دیا جائے فی الحال برکت ہوتی ہے۔ اور خدا کے یہاں اجر ملتا ہے۔

ف۷ یعنی مَیں نے تم کو نصیحت کر دی۔ آگے اس کا ذمہ دار نہیں کہ تم سے زبردستی عمل کرا کے چھوڑوں۔

ف۸ یہ بطور استہزاء و تمسخر کہہ رہے تھے، کہ بس زیادہ بزرگ نہ بنئے کیا ساری قوم میں ایک آپ ہی بڑے عقلمند، باوقار اور نیک چلن رہ گئے ہیں؟ باقی ہم اور ہمارے بزرگ سب جاہل اور احمق ہی رہے؟ حضرت شعیب علیہ السلام نماز بہت کثرت سے پڑھتے تھے، کہنے لگے کہ شاید آپ کی نماز یہ حکم دیتی ہے کہ ہم سے باپ دادوں کا پرانا دین چھڑوا دیں اور ہمارے اموال میں ہمارا مالکانہ اختیار نہ رہنے دیں۔ بس آپ اپنی نماز پڑھے جائیے، ہمارے مذہبی و دنیاوی معاملات اور ماپ تول کے قصوں میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ حضرت شاہ صاحب رح لکھتے ہیں "جاہلوں کا دستور ہے کہ نیکوں کے کام آپ نہ کر سکیں تو انہی کو چڑانے لگیں۔ یہ ہی خصلت ہے کفر کی"۔ بعض مفسرین نے "إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ" کو استہزاء پر نہیں۔ واقعیت پر حمل کیا ہے یعنی تو ایک سمجھدار، باوقار، اور نیک چلن آدمی ہے پھر ایسی بے موقع باتیں کیوں کرنے لگا۔ جیسے صالح علیہ السلام کو کہا تھا "قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَآ ۖ أَتَنْهَىٰنَآ أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَا الخ"۔

ف۹ یا تو ظاہری روزی مراد ہے یعنی ماپ تول میں کمی بیشی کئے بدون حلال و طیب طریق سے روزی مرحمت فرمائی یا باطنی روزی یعنی علم و حکمت اور نبوت عطا کی، خلاصہ یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ نے مجھ کو فہم و بصیرت دے کر وہ صاف راستہ دکھلا دیا جو تم کو نظر نہیں آتا اور اُس دولت سے مالامال کیا جس سے تمہیں حصہ نہیں ملا تو کیا اس کا حق یہ ہے کہ مَیں "معاذ اللہ" تمہاری طرح اندھا بن جاؤں اور خدا کے احکام سے روگردانی کرنے لگوں، یا تمہارے استہزاء و تمسخر سے گھبرا کر نصیحت کرنا اور سمجھانا چھوڑ دوں؟ ہرگز نہیں۔

ف۱۰ یعنی جن بُری باتوں سے تم کو روکتا ہوں میری یہ خواہش نہیں کہ تم سے علیحدہ ہو کر خود اُن کا ارتکاب کروں مثلاً تمہیں تارک الدنیا بنا دوں اور خود دنیا سمیٹ کر گھر میں بھر لوں، نہیں جو نصیحت تم کو کرتا ہوں مَیں تم سے پہلے اُس کا پابند ہوں، تم یہ الزام مجھ پر نہیں رکھ سکتے کہ میری نصیحت کسی خود غرضی اور ہوا پرستی پر محمول ہے۔
ف۱۱ میری تمامتر کوشش یہ ہے کہ تمہاری دینی و دنیوی حالت درست ہو جائے۔ موجودہ ردی حالت سے نکل کر بام ایمان و عرفان پر چڑھنے کی کوشش کرو۔ اس مقصد اصلاح کے سوا دوسرا مقصد نہیں ہے جسے مَیں اپنے مقدور و استطاعت کے موافق کسی حال نہیں چھوڑ سکتا، باقی یہ کہ میری بات بن آئے اور اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں، یہ سب خداوند قدوس کے قبضہ میں ہے۔ اُسی کی امداد و توفیق سے سب کام انجام پا سکتے ہیں، میرا بھروسہ اُسی پر ہے اور ہر معاملہ میں اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ

پڑچکا قوم نوح پر یا قوم ہود پر یا قوم صالح پر اور قوم لوط

مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ

تو تم سے کچھ دُور ہی نہیں ف۱ اور گناہ بخشواؤ اپنے رب سے اور رجوع کرو اُسکی طرف البتہ میرا رب ہے،

رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا

مہربان محبت والا ف۲ بولے اے شعیبؑ ہم نہیں سمجھتے بہت باتیں جو تو کہتا ہے ف۳ اور ہم

لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا

تو دیکھتے ہیں کہ تو ہم میں کمزور ہے ف۴ اور اگر نہ ہوتے تیری بھائی بند تو تجھکو تو ہم سنگسار کر ڈالتے اور ہماری نگاہ میں تیری

بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ

کچھ عزت نہیں ف۵ بولا اے قوم کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر زیادہ ہے اللہ سے اور اُسکو ڈال رکھا تم نے

وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

پیٹھ پیچھے بُھلا کر تحقیق میرے رب کے قابو میں ہے جو کچھ کرتے ہو ف۶ اور اے میری قوم کام کئے جاؤ

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ

اپنی جگہ مَیں بھی کام کرتا ہوں آگے معلوم کر لوگے کس پر آتا ہے عذاب

يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا

رسوا کرنیوالا اور کون ہے جھوٹا اور تاکتے رہو مَیں بھی تمہارے ساتھ تاک رہا ہوں ف۷ اور جب

جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے شعیب کو اور جو ایمان لائے تھے اسکے ساتھ اپنی مہربانی سے

وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ

اور آ پکڑا اُن ظالموں کو کڑک نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں

جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ

اوندھے پڑے ہوئے گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے ف۸ سُن لو پھٹکار ہے مدین کو جیسے پھٹکار ہوئی تھی

ف۱ یعنی میری ضد اور عداوت کے جوش میں ایسی حرکتیں مت کرنا جو تم کو گذشتہ اقوام کی طرح سخت تباہ کن عذاب کا مستحق بنا دیں، نوح، ہود، اور صالح علیہم السلام کی اُمتوں پر تکذیب و عداوت کی بدولت جو عذاب آئے وہ پوشیدہ نہیں، اور لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ تو ان سب کے بعد ماضی قریب میں ہوا ہے اُس کی یاد تمہارے حافظہ میں تازہ ہوگی اِن نظائر کو فراموش مت کرو۔

ف۲ کیسا ہی پُرانا اور کٹر مجرم ہو جب صدق دل سے اُس کی بارگاہ میں رجوع ہو کر معافی چاہے وہ اپنی مہربانی سے معاف کر دیتا ہے۔ بلکہ اُس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ ف۳ سمجھتے سب کچھ تھے لیکن عناد اور حق پوشی سے ایسا کہتے تھے کہ تیری بات کچھ نہیں سمجھتے، نہ معلوم کیا مجذوبوں کی بڑ ہانک رہا ہے (العیاذ باللہ) اور اگر واقعی وہ ایسی سیدھی اور صاف باتیں بے توجہی یا غباوت کی وجہ سے سمجھتے نہ تھے تو یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہوگا۔

ف۴ یعنی ایک کمزور اور بے حقیقت آدمی خواہ مخواہ سارے جہان کو اپنا دشمن بنا رہا ہے اُسے چاہیئے اپنے حال پر رحم کھائے، بیٹھے بٹھائے اپنے کو موت کے مُنہ میں ڈالنے سے کیا فائدہ ہے (تنبیہ) بعض سلف سے "ضعیف"، کے معنی "ضریر البصر" (نابینا) کے منقول ہیں۔ شاید کسی خاص وقت میں عارضی طور پر ظاہری بینائی جاتی رہی ہو۔ جیسے یوسف علیہ السلام کے فراق میں حضرت یعقوب کا حال ہوا تھا۔ مفسّرین نے بعض روایات نقل کی ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام روتے بہت تھے، حتیٰ کہ نگاہ جاتی رہی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ شعیب! اس قدر کیوں روتا ہے؟ جنت کے شوق میں یا دوزخ کے ڈر سے؟ عرض کیا، پروردگار! تیری لقاء کا خیال کر کے روتا ہوں کہ جس وقت آپ کا دیدار ہوگا نہ معلوم میرے ساتھ کیا برتاؤ کرینگے؟ ارشاد ہوا تجھ کو ہماری لقاء (دیدار) مبارک ہو، اے شعیب! اسی لئے مَیں نے اپنے کلیم مُوسیٰ ابن عمران کو تیری خدمت کے لئے کھڑا کر دیا ہے، کہتے ہیں خدا نے اُن کی بینائی واپس کر دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بصحتہ۔

ف۵ یعنی تیرے کنبہ کے لوگ جو ہمارے ساتھ ہیں اُن کا خیال آتا ہے ورنہ اب تک تجھے سنگسار کر ڈالتے۔

ف۶ یعنی افسوس اور تعجب ہے کہ خاندان کی وجہ سے میری رعایت کرتے ہو اس وجہ سے نہیں کرتے کہ مَیں خدا کا بھیجا ہوا ہوں اور صاف و صریح نشانات اپنی سچائی کے دکھلا رہا ہوں۔ گویا تمہاری نگاہ میں میرے خاندان کی عزت اور اس کا دباؤ خداوند قدوس سے زیادہ ہے۔ خدا کی عظمت و جلال کو ایسا بھلا دیا کہ کبھی تمہیں تصوّر بھی نہیں آتا۔ جو قوم خدا تعالیٰ کو بُھلا کر (معاذ اللہ) پس پشت ڈال دے اُسے یاد رکھنا چاہیئے کہ اُس کے تمامی افعال و اعمال خدا تعالیٰ کے علم و قدرت کے احاطہ میں ہیں۔ تم کوئی کام کرو اور کسی حالت میں ہو، ایک آن کے لئے بھی اُس کے قابو سے باہر نہیں۔

ف۷ یعنی اچھا، تم اپنی ضد اور ہٹ پر جمے رہو، مَیں خدا کی توفیق سے راہِ ہدایت پر ثابت قدم ہوں عنقریب پتہ چل جائیگا کہ ہم میں سے کس کو خدا کا عذاب فضیحت کرتا ہے اور کون جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم اور تم دونوں آسمانی فیصلہ کا انتظار کرتے ہیں۔

ف۸ یہاں قوم شعیب کا کڑک (فرشتہ کی چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہے اور "اعراف" میں "رجفہ"، کا لفظ آیا ہے یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے۔ اور سورۂ شعراء میں "عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ" آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کے بادل سائبان کی طرح اُن پر محیط ہوگئے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کے عذاب اس قوم کے حق میں جمع کر دیے گئے تھے، پھر ہر سورت میں وہاں کے سیاق کے مناسب عذاب کا ذکر کیا گیا۔ "اعراف"، میں تھا کہ اُن لوگوں نے شعیب سے کہا کہ ہم تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو اپنی سرزمین سے نکال دیں گے۔ وہاں بتلا دیا کہ جس زمین سے نکالنا چاہتے تھے، اُسی کے زلزلہ سے ہلاک ہوئے یہاں اُن کے سخت گستاخانہ مقالات کا ذکر تھا، اس لئے بالمقابل آسمانی "صیحہ" (کڑک) کا ذکر فرمایا۔ گویا عذاب الٰہی کی ایک کڑک میں اُن کی سب آوازیں گم ہوگئیں۔ سورۂ شعراء میں اُن کا یہ قول نقل کیا ہے۔ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ"، یعنی اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دے۔ اُس کے مقابلہ میں "عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ" کا تذکرہ فرمایا۔

ثَمُوْدُ ﴿٩٥﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٦﴾
ثمود کو ف۱ اور البتہ بھیج چکے ہیں ہم موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح سند دے کر ف۲
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ
فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس پھر وہ چلے حکم پر فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی
بِرَشِيْدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ
کچھ کام کی ف۳ آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچا ئیگا اُن کو آگ پر اور برا
الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿٩٨﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ
گھاٹ ہے جس پر پہنچے ف۴ اور پیچھے سے ملتی رہی اس جہان میں لعنت اور دن قیامت کے بھی
بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿٩٩﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ
برا انعام ہے جو اُن کو ملا ف۵ یہ تھوڑے سے حالات ہیں بستیوں کے کہ ہم سناتے ہیں تجھ کو
مِنْهَا قَاۗىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿١٠٠﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
بعض اُنمیں سے اب تک قائم ہیں اور بعض کی جڑ کٹ گئی ف۶ اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن ظلم کر گئے وہی اپنی جان پر
فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
پھر کچھ کام نہ آئے اُن کے ٹھاکر (معبود) جن کو پکارتے تھے سوائے اللہ کے
مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿١٠١﴾
کسی چیز میں جس وقت پہنچا حکم تیرے رب کا ف۷ اور نہیں بڑھایا اُن کے حق میں سوائے ہلاک کرنیکے ف۸
وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ
اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں بیشک اُس کی پکڑ
اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ
دردناک ہے شدت کی ف۹ اس بات میں نشانی ہے اس کو جو ڈرتا ہے عذاب
الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿١٠٣﴾
آخرت کے ف۱۰ وہ ایک دن ہے جس میں جمع ہونگے سب لوگ اور وہ دن ہے سب کے پیش ہونے کا ف۱۱

ف۱ یعنی دونوں "صیحہ" سے ہلاک ہوئے۔

ف۲ نشانیوں سے غالباً معجزات اور وہ نو آیتیں مراد ہیں، جن کا ذکر "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ" میں ہوا ہے۔ اُن میں سے معجزۂ عصا کو جو نہایت ظاہر و قاہر معجزہ تھا شاید "سُلْطَانٌ مُّبِيْنٌ" (واضح سند) فرمایا یا "سُلْطَانٌ مُّبِيْنٌ" سے وہ روشن دلائل مراد ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے خدا تعالیٰ کے وجود و توحید وغیرہ کے متعلق پیش کئے جن کا ذکر دوسرے مقامات میں آئیگا۔ اور ممکن ہے "سُلْطَانٌ مُّبِيْنٌ" سے اُس کے لغوی معنی (یعنی کھلا ہوا غلبہ) مراد لئے گئے ہوں، کیونکہ فرعونیوں کے مقابلہ پر بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نمایاں غلبہ اور فتح مبین حاصل ہوتی رہی۔

ف۳ یعنی کھلے کھلے نشان دیکھ کر بھی فرعونیوں نے پیغمبر خدا کی بات نہ مانی، اُسی دشمن خدا کے حکم پر چلتے رہے۔ حالانکہ اُس کی کوئی بات ٹھکانے کی نہ تھی، جسے مان کر انسان بھلائی حاصل کر سکتا۔

ف۴ جس طرح یہاں کفر و تکذیب میں ان کا امام تھا، قیامت کے دن بھی امام رہیگا۔ جو لوگ دنیا میں اُس کی اندھی تقلید کر رہے تھے وہ اُس کے پیچھے پیچھے آخری منزل (جہنم) تک پہنچ جائیں گے۔ یہ ہی وہ گھاٹ ہے جہاں ٹھنڈے پانی کی جگہ بھسم کر دینے والی آگ ملے گی۔

ف۵ یعنی رہتی دنیا تک لوگ فرعون اور فرعونیوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ پھر قیامت میں ملائکۃ اللہ اور اہل موقف کی طرف سے لعنت پڑے گی۔ غرض لعنت کا سلسلہ لگاتار اُن کے ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔ گویا یہ انعام ہے جو اُن کے کارناموں پر دیا گیا۔

ف۶ یعنی پچھلی قوموں کے قصے جو تم کو سنائے گئے کہ کس طرح انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب اور گستاخیاں کیں، پھر کس طرح تباہ ہوئے، اُن میں سے بعض کی بستیاں ابھی آباد ہیں جیسے "مصر" جو فرعون کا مقام تھا اور بعض اُجڑ گئیں۔ مگر اُن کے کچھ کھنڈر باقی ہیں۔ جیسے قوم لوط کی بستیاں، اور بعض کا نشان بھی صفحۂ ہستی پر باقی نہ رہا۔

ف۷ یعنی خدا نے کسی کو بے قصور نہیں پکڑا جو ظلم کا وہم ہو سکے، جب وہ جرائم کے ارتکاب میں حد سے آگے نکل گئے اور اس طرح اپنے کو کھلم کھلا سزا کا مستحق ٹھہرا دیا تب خدا کا عذاب آیا۔ پھر دیکھ لو جن معبودوں (دیوتاؤں)، کا انہیں بڑا سہارا تھا اور جن سے بڑی بڑی توقعات قائم کر رکھی تھیں وہ ایسی سخت مصیبت کے وقت کچھ بھی کام نہ آئے۔

ف۸ باطل معبود کام کیا آتے؟ اُلٹے ہلاکت کا سبب بنے۔ جب انہیں نفع و ضرر کا مالک سمجھا، امیدیں قائم کیں، چڑھاوے چڑھائے تعظیم اور ڈنڈوت کی، تو یہ روزِ بد دیکھنا پڑا۔ تکذیب انبیاء وغیرہ کا جو عذاب ہوتا شرک و بت پرستی کا عذاب اُس پر مزید رہا۔

ف۹ یعنی ظالموں کو بڑی حد تک مہلت دی جاتی ہے۔ جب کسی طرح باز نہیں آتے تو پکڑ کر گلا دبا دیا جاتا ہے۔ مجرم چاہے کہ تکلیف کم ہو، یا اُس کی پکڑ سے چھوٹ کر بھاگ نکلے، ایں خیال است و محال است و جنوں۔

ف۱۰ یعنی دنیا جو "دار عمل" ہے، جب اُس میں شرک و کفر اور تکذیب انبیاء پر سزائیں ملتی ہیں اور اس قدر سخت ملتی ہیں تو یہ ایک نشان اس بات کے معلوم کرنے کا ہے کہ آخرت میں جو خالص "دار جزاء" ہے کیا کچھ سزا ان جرائم پر ملے گی؟ اور کیا صورت رستگاری کی ہوگی عقلمند آدمی کے لئے جو اپنے انجام کو سوچ کر ڈرتا رہتا ہے۔ اس چیز میں بڑی عبرت و نصیحت ہے۔

ف۱۱ یعنی تمام دنیا کا بیک وقت فیصلہ اُسی دن ہوگا جب سارے اولین و آخرین اکٹھے کئے جائیں گے اور کوئی شخص غیر حاضر نہ رہ سکے گا، گویا خدائی عدالت کی سب سے بڑی پیشی کا دن وہ ہی ہوگا۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا
اور اُس کو ہم دیر جو کرتے ہیں سو ایک وعدہ کے لئے جو مقرر ہے ف۱ جس دن وہ آئیگا بات نہ کر سکیگا کوئی جاندار
بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ
مگر اسکے حکم سے، سو اُن میں بعضے بدبخت ہیں اور بعضے نیک بخت، ف۲ سو جو لوگ بدبخت ہیں وہ تو آگ میں ہیں
لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
اُن کو وہاں چیخنا ہے اور دھاڑنا ہمیشہ رہیں اُس میں جب تک رہے آسمان
وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَ
اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہے اور
اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
جو لوگ نیک بخت ہیں سو جنت میں ہیں ہمیشہ رہیں اُس میں جب تک رہے آسمان
وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ
اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب بخشش ہے بے انتہا ف۳ سو تو نہ رہ
مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُهُمْ
دھوکے میں اُن چیزوں سے جنکو پوجتے ہیں یہ لوگ، کچھ نہیں پوجتے مگر ویسا ہی جیسا کہ پوجتے تھے انکے باپ دادے
مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا
اس سے پہلے اور ہم دینے والے ہیں اُن کو اُن کا حصہ یعنی عذاب بلا نقصان ف۴ اور البتہ ہم نے دی تھی
مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ
موسیٰ کو کتاب پھر اُس میں پھوٹ پڑ گئی اور اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ پہلے فرما چکا تھا تیرا رب
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا
تو فیصلہ ہو جاتا اُن میں اور اُن کو اُس میں شبہ ہے کہ مطمئن نہیں ہونے دیتا ف۵ اور جتنے لوگ ہیں جب
لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ
وقت آیا پورا دیگا رب تیرا اُن کو اُن کے اعمال اُس کو سب خبر ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں ف۶ سو تو سیدھا چلا جا

ف۱ یعنی اللہ کے علم میں جو میعاد مقرر ہے وہ پوری ہو جائے گی تب وہ دن آئیگا۔ تاخیر سے یہ گمان مت کرو کہ یہ محض فرضی اور وہمی باتیں ہیں۔ ف۲ یعنی کوئی شخص ایسی بات جو مقبول و نافع ہو بدون حکم الٰہی کے نہ کر سکے گا اور محشر کے بعض مواقف میں تو مطلقاً ایک حرف بھی اذن و اجازت کے بدون منہ سے نہ نکال سکیں گے۔ ف۳ ان آیات کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جس قدر مدت آسمان و زمین دنیا میں باقی رہے اتنی مدت تک اشقیاء دوزخ میں اور سعداء جنت میں رہیں گے مگر جو اور زیادہ چاہے تیرا رب، وہ اُسی کو معلوم ہے۔ کیونکہ ہم جب طویل سے طویل زمانہ کا تصور کرتے ہیں تو اپنے ماحول کے اعتبار سے بڑی مدت یہی خیال میں آتی ہے۔ اسی لئے "مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" وغیرہ الفاظ محاوراتِ عرب میں دوام کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں۔ باقی دوام و ابدیت کا اصلی مدلول جسے لامحدود زمانہ کہنا چاہئے وہ حق تعالیٰ ہی کے علم غیر متناہی کے ساتھ مختص ہے جس کو "مَا شَآءَ رَبُّكَ"، سے ادا کیا۔ دوسرے معنی آیت کے یہ ہو سکتے ہیں کہ لفظ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کو کنایۃً دوام سے مانا جائے۔ یا آسمان و زمین سے آخرت کا زمین و آسمان مُراد لیا جائے۔ جیسے فرمایا "يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ" (ابراھیم - رکوع ۷) مطلب یہ ہوا کہ اشقیاء دوزخ اور سعداء جنت میں اُس وقت تک رہیں گے جب تک آخرت کے زمین و آسمان باقی رہیں، یعنی ہمیشہ۔ مگر جو چاہے تیرا رب تو موقوف کر دے، وہاں ہمیشہ نہ رہنے دے۔ کیونکہ جنتیوں اور دوزخیوں کا خلود بھی اسی کی مشیت و اختیار سے ہے لیکن وہ چاہ چکا کہ کفار و مشرکین کا عذاب اور اہل جنت کا ثواب کبھی موقوف نہ ہوگا۔ چنانچہ فرمادیا "وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ" (بقرہ رکوع ۲۰) اور "يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا" (مائدہ رکوع ۶) اور "لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ"، (بقرہ رکوع ۱۹) اور "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ" (نساء - رکوع ۱۸) اسی پر تمام اہل اسلام کا اجماع رہا ہے اور ہمارے زمانہ کے بعض نام نہاد مفسرین نے جو کچھ اس کے خلاف چیزیں پیش کی ہیں وہ یا روایات ضعیفہ و موضوعہ ہیں یا اقوال غریبہ ماؤلہ۔ یا بعض آیات و احادیث ہیں جن کا مطلب کوتاہ نظری یا بدفہمی سے غلط سمجھ لیا گیا ہے۔ اگر خدا کی توفیق سے مستقل تفسیر لکھنے کی نوبت آئی، اس میں مفصل کلام کیا جائیگا۔ اختصار کی وجہ سے یہاں گنجائش نہیں، رہا عُصاۃ موحدین کا مسئلہ یعنی جو مسلمان گناہوں کی بدولت دوزخ میں ڈالے جائینگے (العیاذ باللہ) اُن کے متعلق احادیث صحیحہ نے ہم کو خدا کی مشیت پر مطلع کر دیا ہے کہ ایک دن ضرور اُن کو نکال کر جنت میں پہنچائینگے جہاں سے کسی جنتی کو کبھی نکلنا نہیں۔ شاید اسی لحاظ سے جنتیوں کے ذکر میں "عَطَاۗءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ"، اور اشقیاء کے ذکر میں "اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" ارشاد ہوا۔ تا معلوم ہو جائے کہ بعض اشقیاء دوزخ سے نکالے جائینگے مگر سعید کوئی جنت سے خارج نہ کیا جائیگا۔ (تنبیہ) "اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ"، سے متنبہ فرمادیا کہ خدا کے ہمیشہ رہنے اور مخلوق کے ہمیشہ رہنے میں فرق ہے کسی مخلوق کا ہمیشہ رہنا بہمہ وجوہ خدا کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ جب چاہے فنا کر سکتا ہے۔ نیز یہ جتلا دیا کہ جزاء و سزا دینا اُسکے اختیار و مشیت کے تابع ہے "آریہ سماج"، وغیرہ کے عقیدہ کے موافق وہ اس پر مجبور نہیں۔

ف۴ یعنی اتنی مخلوق کا شرک و بت پرستی کے راستہ پر پڑ لینا اور اب تک سزایاب نہ ہونا، کوئی ایسی چیز نہیں جس سے دھوکہ کھا کر آدمی شبہ میں پڑ جائے۔ یہ لوگ اپنے باپ دادوں کی کورانہ تقلید کر رہے ہیں۔ وہ جھوٹے معبود اُن کے کیا کام آئے، جو اِن کے کام آئینگے؟ یقیناً ان سب کو آخرت میں عذاب کا پورا حصہ ملیگا۔ جس میں کوئی کمی نہ ہوگی یا کبھی کم نہ کیا جائیگا گویا لفظ "غیر منقوص" "عَطَاۗءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ" کے مقابل ہوا بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دنیا میں رزق وغیرہ کا جو حصہ مقدر ہے وہ پورا ملیگا۔ پھر شرک کی پوری سزا بھگتیں گے۔

ف۵ موسیٰ علیہ السلام کو تورات دے کر بھیجا تو آپس میں پھوٹ پڑ گئی، کسی نے قبول کیا کسی نے نہ کیا۔ جس طرح آج قرآن عظیم کے متعلق یہی اختلاف ہو رہا ہے۔ بیشک خدا کو قدرت تھی کہ یہ اختلاف و تفرق پیدا نہ ہونے دیتا یا پیدا ہو چکنے کے بعد تمام مکذبین کا فوراً استیصال کر کے سارے جھگڑے ایک دم میں چکا دیتا۔ مگر اُس کی حکمت تکوینی اس کو مقتضی نہ ہوئی۔ ایک بات اُسکے یہاں پہلے سے طے شدہ ہے کہ انسان کو ایک خاص حد تک کسب و اختیار کی آزادی دے کر آزمائے کہ وہ کس راستہ پر چلتا ہے، آیا خالق و مخلوق کا ٹھیک ٹھیک حق پہچان کر خدا کی رحمت و کرامت کا مستحق بنتا ہے یا کجروی اور غلط کاری سے فطرت صحیحہ کی رہنمائی کو خیرباد کہہ کر اپنے کو غضب و سخط کا مظہر ٹھہراتا ہے "لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا"، اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسان کی ساخت ایسی بنائی کہ وہ نیکی یا بدی کے اختیار کرنے میں بالکل مجبور و مضطر نہ ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں خیر و شر اور نیک و بد کی باہمی آویزش جاری رہے بعدہ مرحوم و مغضوب علیحدہ کئے جائیں۔ تا "اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" کے ساتھ "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ"، والی بات بھی پوری ہو۔ غالباً یہ ہی وہ کلمہ (لفظ) ہے جو اگر نہ فرما چکا ہوتا تو سب اختلافات کا ایک دم خاتمہ کر دیا جاتا۔ عام لوگ ان حکمتوں کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ آئندہ بھی ان اختلافات کا فیصلہ ہو گا یا نہیں۔

ف۶ یعنی ابھی وقت نہیں آیا کہ ہر ایک کے عمل کا پورا بھگتان کیا جائے لیکن جب وقت آئیگا تو یقیناً ذرہ ذرہ کا حساب کر دیا جائیگا۔ تاخیر عذاب سے یہ نہ سمجھو کہ اُسے تمہارے اعمال کی خبر نہیں۔

ف۱ آپ ان مشرکین کی جھنجھٹ میں نہ پڑیے۔ آپ کو اور اُن لوگوں کو جنہوں نے کفر وغیرہ سے توبہ کرکے آپ کی معیت اختیار کرلی اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، احکام الٰہیہ پر نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ ہمیشہ جمے رہنا چاہیئے۔ عقائد، اخلاق، عبادات، معاملات، دعوت وتبلیغ وغیرہ، ہر چیز میں افراط وتفریط سے علیحدہ ہوکر توسّط واستقامت کی راہ پر سیدھے چلے جاؤ کسی معاملہ میں افراط یا تفریط کی جانب اختیار کرکے حد سے نہ نکلو، اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ ہر آن تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ ف۲ پہلے "لَا تَطْغَوْا" میں حد سے نکلنے کو منع کیا تھا اب بتلاتے ہیں کہ جو لوگ ظالم (حد سے نکلنے والے) ہیں، اُن کی طرف تمہارا ذرا سا میلان اور جھکاؤ بھی نہ ہو۔ اُن کی موالات، مصاحبت، تعظیم وتکریم، مدح وثنا، ظاہری تشبہ، اشتراک عمل، ہر بات سے حسب مقدور محترز رہو، مبادا آگ کی لپیٹ تم کو نہ لگ جائے۔ پھر نہ خدا کے سوا تم کو کوئی مددگار ملیگا اور نہ خدا کی طرف سے کوئی مدد پہنچے گی۔

كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
جیسا تجھ کو حکم ہوا اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو بیشک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم

بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا
کرتے ہو ف۱ اور مت جھکو اُن کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی

لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ
نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے ف۲ اور قائم کر

الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ
نماز کو دونوں طرف دن کے اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے ف۳ البتہ نیکیاں دُور کرتی ہیں

السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ ۚ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ
برائیوں کو یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کو ف۴ اور صبر کر البتہ اللہ

لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ
ضائع نہیں کرتا ثواب نیکی کرنے والوں کا ف۵ سو کیوں نہ ہوئے اُن جماعتوں میں جو

قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِى الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا
تم سے پہلے تھیں، ایسے لوگ جن میں اثر خیر رہا ہو کہ منع کرتے رہتے بگاڑ کرنے سے ملک میں مگر تھوڑے

مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَ
کہ جن کو ہم نے بچا لیا اُن میں سے اور چلے وہ لوگ جو ظالم تھے وہی راہ جس میں عیش سے رہے تھے اور

كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ
تھے گنہگار ف۶ اور تیرا رب ہرگز ایسا نہیں کہ ہلاک کرے بستیوں کو زبردستی سے اور

اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً
لوگ وہاں کے نیک ہوں ف۷ اور اگر چاہتا تیرا رب کر ڈالتا لوگوں کو ایک رستہ

وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ۙ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ
پر اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے ف۸ اور اسی واسطے

ف۳ ظالموں کی طرف مت جھکو۔ بلکہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف جھکو یعنی صبح وشام اور رات کی تاریکی میں خشوع وخضوع سے نمازیں ادا کرو کہ یہ ہی بڑا ذریعہ خدا کی مدد حاصل کرنے کا ہے۔
(تنبیہ) دن کے دونوں طرف یعنی طلوع وغروب سے پہلے فجر اور عصر کی نمازیں مُراد ہیں۔ یا ایک طرف فجر اور دوسری طرف مغرب کو رکھا جائے۔ کہ وہ بھی بالکل غروب کے متصل ہوتی ہے۔ اور بعض سلف کے نزدیک اس میں فجر اور ظہر وعصر تینوں نمازیں داخل ہیں۔ گویا دن کے دو حصے کرکے پہلے حصہ میں فجر کو اور دوسرے حصہ میں جو نصف النہار سے شروع ہوکر غروب پر ختم ہوتا ہے، دونوں نمازوں (ظہر وعصر) کو شمار کرلیا۔ اور "زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ" سے فقط "عشاء"، یا "مغرب وعشاء" دونوں مُراد ہیں۔ ابن کثیر نے یہ احتمال بھی لکھا ہے کہ "طَرَفَيِ النَّهَارِ" سے فجر وعصر اور "زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ" سے تہجد مُراد ہو۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں یہ ہی تین نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ بعدہٗ تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی اور باقی دو کے ساتھ تین کا اضافہ کیا گیا (واللہ اعلم)
ف۴ یعنی نمازوں کا قائم رکھنا خدا کی یادگاری ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا۔ "اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ"، یا یہ مطلب ہے کہ "اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ" کا ضابطہ یاد رکھنے والوں کے لئے یاد رکھنے کی چیز ہے۔ جسے کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے مومن کو نیکیوں کی طرف خاص ترغیب ہوتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "نیکیاں دُور کرتی ہیں برائیوں کو تین طرح، جو نیکیاں کرے اُس کی بُرائیاں معاف ہوں، اور جو نیکیاں اختیار کرے اُس سے خو برائیوں کی چھوٹے، اور جس ملک میں نیکیوں کا رواج ہو وہاں ہدایت آئے، اور گمراہی مٹے، لیکن تینوں جگہ وزن غالب چاہئے۔ جتنا میل اتنا صابون"۔
ف۵ قرآن کریم میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی امداد واعانت حاصل کرنے میں دو چیزوں کو خاص دخل ہے۔ صلوٰۃ اور صبر "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" (البقرۃ) یہاں بھی "صلوٰۃ" کے بعد "صبر" کا حکم فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ مومن خدا کی عبادت وفرمانبرداری میں ثابت قدم رہے اور کسی دکھ درد کی پروا نہ کرے، تب خدا کی مدد ونصرت حاصل ہوتی ہے اس کے یہاں کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں ہوتا، بلکہ اندازہ سے زائد ملتا ہے۔
ف۶ پچھلوں کا حال سُنا کر اُمّتِ محمّدیہ کو اُبھارا گیا ہے کہ ان میں "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کرنے والے بکثرت موجود رہنے چاہئیں۔ گذشتہ قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ عام طور پر لوگ عیش وعشرت کے نشہ میں چور ہوکر جرائم کا ارتکاب کرتے رہے اور بڑے بااثر آدمی جن میں کوئی اثر خیر کا باقی تھا انہوں نے منع کرنا چھوڑ دیا، اس طرح کفر وعصیان اور ظلم وطغیان سے دنیا کی جو حالت بگڑ رہی تھی اُس کا سنوارنے والا کوئی نہ رہا۔ چند گنتی کے آدمیوں نے "امر بالمعروف"، کی کچھ آواز بلند کی مگر نقارخانہ میں طوطی کی صدا کون سنتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منع کرنیوالے عذاب سے محفوظ رہے باقی سب قوم تباہ ہوگئی۔ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "نیک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی۔ تھوڑے تھے سو آپ بچ گئے"۔ حدیث صحیح میں ہے کہ جب ظالم کا ہاتھ پکڑ کر ظلم سے نہ روکا جائے اور لوگ "امر بالمعروف" و "نہی عن المنکر" ترک کر بیٹھیں، تو قریب ہے کہ خدا تعالیٰ ایسا عام عذاب بھیجے جو کسی کو نہ چھوڑے (العیاذ باللہ)۔
ف۷ یعنی جس بستی کے لوگ اپنی حالت درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں، نیکی کو رواج دیں ظلم وفساد کو روکیں تو خداوند قدوس کی یہ شان نہیں کہ خواہ مخواہ انہیں زبردستی پکڑ کر ہلاک کر دے۔ عذاب اُسی وقت آتا ہے جب لوگ کفر وعصیان یا ظلم وطغیان میں حد سے نکل جائیں۔ ف۸ یعنی جیسا کہ بارہا پہلے لکھا جا چکا ہے خدا تعالیٰ کی حکمت تکوینی اِس کو مقتضی نہیں ہوئی کہ ساری دنیا کو ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا۔ اسی لئے حق کے قبول کرنے نہ کرنے میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور رہیگا۔ مگر فی الحقیقت اختلاف اور پھوٹ ڈالنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے صاف وصریح فطرت کے خلاف حق کو جھٹلایا۔ اگر فطرت سلیمہ کے موافق سب چلتے تو کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ اسی لئے "اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" سے متنبہ فرما دیا کہ جن پر خدا نے اُن کی حق پرستی کی بدولت رحم کیا وہ اختلاف کرنے والوں سے مستثنیٰ ہیں۔

خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ
اُن کو پیدا کیا ہے اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی کہ البتہ بھر دونگا دوزخ جنوں سے اور

النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (١١٩) وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الرُّسُلِ مَا
آدمیوں سے اکٹھے ف۱ اور سب چیز بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے جس سے

نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاۗءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى
تسلی دیں تیرے دل کو اور آئی تیرے پاس اس سورت میں تحقیق بات اور نصیحت اور یاد داشت

لِلْمُؤْمِنِيْنَ (١٢٠) وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ ۭ
ایمان والوں کو ف۲ اور کہدے اُن کو جو ایمان نہیں لاتے کام کئے جاؤ اپنی جگہ پر

اِنَّا عٰمِلُوْنَ (١٢١) ۙ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ (١٢٢) وَلِلّٰهِ غَيْبُ
ہم بھی کام کرتے ہیں اور انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں ف۳ اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ
آسمانوں کی اور زمین کی اور اسی کی طرف رجوع ہے سب کام کا سو اسی کی بندگی کر اور

تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (١٢٣) ع ١٠
اسی پر بھروسہ رکھ اور تیرا رب بیخبر نہیں جو کام تم کرتے ہو ف۴

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا
سورۂ یوسف مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الۗرٰ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (١) ۣ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ
یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی ف۵ ہم نے اُس کو اُتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم

تَعْقِلُوْنَ (٢) نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ
سمجھ لو ف۶ ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہت اچھا بیان اسواسطے کہ بھیجا ہم نے

ف۱ یعنی دنیا کی آفرینش سے غرض یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر قسم کی "صفات جمالیہ" و "قہریہ" کا ظہور ہو، اس لئے مظاہر کا مختلف ہونا ضروری ہے۔ تاکہ ایک جماعت اپنے مالک کی وفاداری و اطاعت دکھا کر رحمت و کرم اور رضوان و غفران کا مظہر بنے۔ جو "اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" کی مصداق ہے اور دوسری جماعت اپنی بغاوت و غداری سے اُس کی صفت عدل و انتقام کا مظہر بن کر حبس دوام کی سزا بھگتے جس پر خدا کی یہ بات پوری ہو "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ"، بہرحال آفرینش عالم کا تشریعی مقصد عبادت ہے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" (الذاریات۔ رکوع ۳) اور تکوینی غرض یہ ہے کہ تشریعی مقصد کو اپنے کسب و اختیار سے پورا کرنے اور نہ کرنے والے دو گروہ ایسے موجود ہوں جو حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ و جمالیہ یا بالفاظ دیگر لطف و قہر کے مورد و مظہر بن سکیں ؎

درکارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است — دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد

پھر لطف و کرم کے مظاہر بھی اپنے مدارج استعداد و عمل کے اعتبار سے مختلف ہونگے ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن — اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

ف۲ اوپر بہت سے انبیاء و رُسل کے قصص مذکور ہوئے تھے، اب ختم سورت پر ذکر قصص کی بعض حکمتوں پر تنبیہ فرماتے ہیں یعنی گذشتہ اقوام و رُسل کے واقعات سن کر پیغمبر علیہ السلام کا قلب بیش از بیش ساکن و مطمئن ہوتا ہے اور اُمت کو تحقیقی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جن میں نصیحت و تذکیر کا بڑا سامان ہے۔ آدمی جب سُنتا ہے کہ میرے ابنائے نوع پہلے فلاں فلاں جرائم کی پاداش میں ہلاک ہو چکے ہیں تو اُن سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ فلاں راستہ اختیار کرنے سے پچھلوں کو نجات ملی تو طبعًا اُس کی طرف دوڑتا ہے۔ فی الحقیقت قرآن کریم میں قصص کا حصّہ اس قدر مؤثر و مذکر واقع ہوا ہے کہ کوئی شخص جس میں تھوڑا سا آدمیت کا جزء ہو اور خوفِ خدا کی ذرا سی ٹیس دل میں رکھتا ہو انہیں سن کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ باقی قصص یا بعض دوسرے مضامین کی تکرار جو قرآن کریم میں پائی جاتی ہے اُس پر ہم نے رسالہ "القاسم"، کے ابتدائی دور میں ایک مستقل مضمون لکھا ہے اُسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

ف۳ اس مضمون کی آیات پہلے اسی سورت میں گذر چکی ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر میری بات نہیں مانتے تو بہتر ہے تم اپنی ضد پر جمے رہو، میں اپنے مقام پر مستقیم ہوں۔ نیز تم میرے لئے حوادثِ دہر کا انتظار کرتے رہو، میں تمہارے انجام بد کا منتظر ہوں۔ چند روز میں پتہ چل جائیگا کہ ظالموں کا اُونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ "يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمُ الدَّوَاۗىِٕرَ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ"۔

ف۴ یعنی آپ اِن کے کفر و شرارت سے دلگیر نہ ہوں اپنا کام کئے جائیں اور اُن کا فیصلہ خدا کے حوالہ کریں، اُس سے آسمان و زمین کی کوئی بات چھپی نہیں، سب معاملات ہر پھر کر اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں وہاں اِن کو پتہ لگ جائیگا کہ وہ کس خبط میں پڑے ہوئے تھے۔ آپ تو دل و جان سے اپنے پروردگار کی بندگی اور فرمانبرداری میں لگے رہئے۔ اور تنہا اُسی کی اعانت پر بھروسہ رکھیے۔ وہ تمہارے مخلصانہ اعمال سے بے خبر نہیں اُنکے مناسب تم سے معاملہ کریگا۔ حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا یا رسول اللہ! آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت جلد آگئے؟ فرمایا "شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَاَخَوَاتُهَا" سورۂ "ہود"، اور اس کی بہنوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سورۂ ہود کی جس آیت نے آپ کو بوڑھا کر دیا یہ تھی۔ "فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ"، رزقنا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ الاستقامۃ علی دینہ و سنۃ نبیہ صلعم۔ تمّ سورۃ "ہود"، بفضلہ و منہ۔

ف۵ جس کا من عند اللہ ہونا بالکل واضح ہے اور جن احکام و شرائع یا مواعظ و نصائح پر وہ مشتمل ہے نہایت روشن اور صاف ہیں۔

ف۶ یعنی عربی زبان جو تمام زبانوں میں زیادہ فصیح و وسیع اور منضبط و پرشوکت زبان ہے، نزول قرآن کے لئے منتخب کی گئی۔ جب خود پیغمبر عربی ہیں تو ظاہر ہے کہ دنیا میں اُس کے اولین مخاطب عرب ہونگے۔ پھر عرب کے ذریعہ سے چاروں طرف یہ روشنی پھیلے گی۔ اِسی کی طرف "لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ" میں اشارہ فرمایا کہ تمہاری زبان میں اُتارنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ تم جو پیغمبر علیہ السلام کی قوم ہو اوّل اُس کے علوم و معارف کا مزہ چکھو پھر دوسروں کو چکھاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ "اُنْزِلَ اَشْرَفُ الْكُتُبِ بِاَشْرَفِ اللُّغَاتِ عَلٰى اَشْرَفِ الرُّسُلِ بِسِفَارَةِ اَشْرَفِ الْمَلَائِكَةِ وَكَانَ ذٰلِكَ فِيْ اَشْرَفِ بِقَاعِ الْاَرْضِ وَابْتِدَاءُ اِنْزَالِهٖ فِيْ اَشْرَفِ شُهُوْرِ السَّنَةِ وَهُوَ رَمَضَانُ فَكَمُلَ مِنْ كُلِّ الْوُجُوْهِ"۔

اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾
تیری طرف یہ قرآن اور تو تھا اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں ف۱

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ
جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ سے اے باپ میں نے دیکھا خواب میں گیارہ ستاروں کو اور

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ
سورج کو اور چاند کو دیکھا میں نے ان کو اپنے واسطے سجدہ کرتے ہوئے ف۲ کہا اے بیٹے مت بیان کرنا

رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ
خواب اپنا اپنے بھائیوں کے آگے پھر وہ بنائینگے تیرے واسطے کچھ فریب، البتہ شیطان ہے انسان کا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ
صریح دشمن ف۳ اور اسی طرح برگزیدہ کریگا تجھ کو تیرا رب ف۴ اور سکھلائیگا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا

الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى
باتوں کا ف۵ اور پورا کریگا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر ف۶ جیسا پورا کیا ہے

اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶﴾ ع
تیرے دو باپ دادوں پر اس سے پہلے ابراہیم اور اسحٰق پر ف۷ البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمت والا ف۸

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۷﴾ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ
البتہ ہیں یوسف کے قصہ میں اور اسکے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں پوچھنے والوں کیلئے ف۹ جب کہنے لگے البتہ یوسف

وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ
اور اُس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم اُن سے قوت والے لوگ ہیں، البتہ ہمارا باپ صریح خطا

مُّبِيْنِ ۚ ﴿۸﴾ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ
پر ہے ف۱۰ مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ خالص رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی ف۱۱

وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴿۹﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا
اور ہو رہنا اس کے بعد نیک لوگ ف۱۲ بولا ایک بولنے والا اُن میں مت مار ڈالو

ف۱ یعنی اس وحی کے ذریعہ سے جو قرآن کی صورت میں ہم پر نازل ہوتی ہے، ہم ایک نہایت اچھا بیان نہایت حسین طرز میں تم کو سُناتے ہیں۔ جس سے اب تک اپنی قوم کی طرح تم بھی بیخبر تھے۔ گو یہ واقعہ کتب تاریخ اور بائبل میں پہلے سے مذکور تھا مگر محض ایک افسانہ کی صورت میں تھا۔ قرآن کریم نے اُس کے ضروری اور مفید اجزاء کو ایسی عجیب ترتیب اور بلیغ و مؤثر انداز میں بیان فرمایا جس نے نہ صرف پہلے تذکرہ نویسوں کی کوتاہیوں پر مطلع کیا بلکہ موقع بہ موقع نہایت ہی اعلیٰ نتائج کی طرف رہنمائی کی اور قصہ کے ضمن میں علوم و ہدایات کے ابواب مفتوح کر دیے۔ یہ بات کہ خداوند قدوس کی تقدیر کو کوئی چیز نہیں روک سکتی، اور خدا جب کسی پر فضل کرنا چاہے تو سارا جہان مل کر بھی اپنی ساری امکانی تدابیر سے اُسے محروم نہیں کر سکتا، صبر و استقامت دنیوی و اُخروی کامیابی کی کلید ہے، حسد و عداوت کا انجام خذلان و نقصان کے سوا کچھ نہیں، عقل انسانی بڑا شریف جوہر ہے جس کی بدولت آدمی بہت سی مشکلات پر غالب آتا اور اپنی زندگی کو کامیاب بنا لیتا ہے، اخلاقی شرافت اور پاکدامنی انسان کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظر میں بھی آخر کار معزز بنا دیتی ہے۔ یہ اور اس قسم کے بیشمار حقائق ہیں جن پر اس احسن القصص کے ضمن میں متنبہ فرمایا ہے۔ مفسرین نے اس سورت کی شان نزول میں کئی روایتیں نقل کی ہیں۔ سب کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے مشرکین مکہ کے ذریعہ سے امتحاناً یہ سوال کیا کہ حضرت ابراہیم او اُن کی اولاد تو شام میں رہتی تھی، پھر "بنی اسرائیل" مصر میں کیسے پہنچ گئے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے مقابلہ کی نوبت آئی۔ شاید مسلمانوں کو بھی ایک مفصل تاریخی واقعہ جو بصائر و عبر سے مملو ہو سننے کا اشتیاق ہوا ہوگا۔ اِدھر اس قصہ کے ضمن میں جن احوال و حوادث کا تذکرہ ہونے والا تھا، وہ کئی طرح نبی کریم صلعم اور آپ کی قوم کے حالات سے مشابہت رکھتے تھے۔ اور ان کا ذکر آنحضرت صلعم کے حق میں موجب تسکین خاطر اور آپ کی قوم کے حق میں موجب عبرت تھا۔ ان وجوہ سے یہ پورا واقعہ کافی بسط و تفصیل سے قرآن کریم میں بیان فرمایا۔ تا پوچھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) اور اُن کی اولاد کے شام سے مصر آنے کا سبب حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہوا ہے۔ پھر وہیں اُن کی نسل پھیلی اور بڑھتی رہی تا آنکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آکر فرعون اور قبطیوں کی غلامی سے انہیں نجات دلائی۔

ف۲ یعنی گیارہ ستارے اور چاند سورج میرے آگے جھک رہے اور سجدہ ہو رہے ہیں۔ یہ خواب لڑکپن میں دیکھا تھا۔ سچ ہے "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات"۔

ف۳ یعنی شیطان ہر وقت انسان کی گھات میں لگا ہے۔ وسوسہ اندازی کر کے بھائیوں کو تیرے خلاف اکسا دے گا۔ کیونکہ خواب کی تعبیر بہت ظاہر تھی، اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو جو بہر حال خاندان نبوت میں سے تھے، ایسے واضح خواب کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہ تھا کہ گیارہ ستارے گیارہ بھائی ہیں اور چاند سورج ماں باپ ہیں گویا یہ سب کسی وقت یوسف علیہ السلام کی عظمت شان کے سامنے سر جھکائینگے چنانچہ آخر سورت میں "يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا" کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام خواب سے پیشتر ہی یہ محسوس کرتے تھے کہ یوسف کے ساتھ باپ کی خصوصی محبت کو دیکھ کر اُس کے علاتی بھائی دل ہی دل میں کڑھتے ہیں۔ اب انہوں نے خیال کیا کہ اگر کہیں یہ خواب سُن پائے تو شیطان حسد کی آگ اُن کے دلوں میں بھڑکا دیگا اور جوشِ حسد میں آنکھیں بند کر کے ممکن ہے وہ کوئی ایسی حرکت کر گذریں جو یوسف کی اذیت اور خود اُن کی رسوائی اور بد انجامی کا موجب ہو۔ اس لئے آپ نے یوسف علیہ السلام کو منع فرما دیا کہ اپنا خواب بھائیوں کے روبرو ظاہر نہ کریں۔ یوسف کا ایک حقیقی بھائی "بنیامین" تھا، اُس کے سامنے ذکر کرنے کی بھی اجازت نہیں دی، گو اُس سے بُرائی کا کچھ اندیشہ نہ تھا، لیکن یہ ممکن تھا کہ وہ سُن کر بے احتیاطی سے دوسروں کے سامنے تذکرہ کر دے۔ اور اس طرح یہ خبر لوگوں میں شائع ہو جائے (تنبیہ) حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک مستقل رسالہ میں لکھا ہے کہ قرآن، لغت، اور عقلی اعتبارات میں سے کوئی چیز اس خیال کی تائید نہیں کرتی کہ برادرانِ یوسف انبیاء تھے، نہ رسول کریم صلعم نے اس کی خبر دی نہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی اس کا قائل تھا۔ بھلا عقوق والدین، قطع رحم، مسلمان بھائی کے قتل پر اقدام کرنا، اُس کو غلام بنا کر بیچ ڈالنا اور بلادِ کفر کی طرف بھیج دینا، پھر صریح جھوٹ اور حیلے بنانا وغیرہ ایسی حرکات شنیعہ کیا کسی نبی کیطرف (خواہ قبل از بعثت ہی سہی) منسوب کی جا سکتی ہیں (العیاذ باللہ) جن لوگوں نے برادرانِ یوسف کی نبوت کا خیال ظاہر کیا ہے، اُن کے پاس لفظ "اسباط"، کے سوا کوئی دلیل نہیں حالانکہ "اسباط"، خاص صلبی اولاد کو نہیں بلکہ اقوام و اُمم کو کہتے ہیں۔ اور "بنی اسرائیل" کی اسباط پر تقسیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ہوئی ہے۔

ف۴ یعنی جس طرح ایسا اچھا خواب دکھلایا، اسی طرح محض جاذبہ رحمت سے اپنی بارگاہ قرب میں تجھ کو خصوصی مقام عطا فرمائیگا۔ چنانچہ نبوت عطا فرمائی اور طرح طرح کی ظاہری و باطنی نوازشیں کیں۔

ف۵ مثلاً تعبیر رؤیا یعنی خواب سُن کر اُس کے اجزاء کو ذہانت و فراست سے ٹھکانے پر لگا دینا۔ یا ہر بات کے موقع و محل کو سمجھنا، اور معاملات کے عواقب و نتائج کو فوراً پرکھ لینا۔ یا خدا اور پیغمبروں کے ارشادات اقوام و اُمم کے قصص اور کتب منزلہ کے مضامین کی تہ تک پہنچ جانا، یہ سب چیزیں "تاویل الاحادیث" کے تحت میں مندرج ہو سکتی ہیں۔

ف۶ یعنی اُخروی نعمتوں کے ساتھ دنیوی نعمتیں عطا فرمائیگا۔ نبوت کے ساتھ بادشاہت میں حصہ دیگا اور شدائد و محن سے نجات دیکر خوشحالی و فراغ بالی کی زندگی نصیب کرے گا۔ یعقوبؑ کے

(باقی صفحہ ۳۱۳)

بقیہ فوائد صفحہ ۳۱۲ - گھرانے کو دنیوی مکروہات اور مادی تکلیفوں سے رہائی دے گا اور آئندہ اُن کی نسل سے بڑے بڑے پیغمبر اور بادشاہ پیدا کریگا۔ **ف۷** حضرت یعقوبؑ نے تو اضعاً اپنا نام نہیں لیا۔ اپنے والد حضرت اسحٰق اور اُن کے والد حضرت ابراہیم کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم کو خدا نے اپنا خلیل اور نبی بنایا، اُن کے دشمن نمرود کو ہلاک کیا، آگ کے شعلوں کو اُن کے لئے گلزار بنا دیا، حضرت اسحٰق کو نبوت عطا کی۔ پھر اُن کے صلب سے حضرت یعقوب جیسا نبی پیدا کیا جس سے تمام انبیائے بنی اسرائیل کا سلسلہ چلا۔ حدیث صحیح میں ہے۔ الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم۔ (تنبیہ) حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو پیشین گوئی کی اُس کا کچھ حصہ تو غالباً حضرت یوسف کے خواب سے سمجھے اور اس سے کہ اتنی چھوٹی عمر میں ایسا موزوں و مبارک خواب دیکھا اور کچھ حضرت یوسف کے خصائل و شمائل سے یا وحی الٰہی کے ذریعہ سے مطلع ہوئے ہونگے۔ **ف۸** یعنی وہ ہر ایک کی مناسبت و استعداد سے باخبر ہے۔ اپنی حکمت سے اُسی کے مناسب فیض پہنچاتا ہے۔ **ف۹** یعنی جو لوگ اس طرح کے واقعات دریافت کرکے کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں اُن کے لئے یوسف اور اُن کے بھائیوں کی سرگذشت میں ہدایت و عبرت کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ اس قصہ کو سُن کر قلوب میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت و حکمت کا نقش جم جاتا ہے۔ نبی کریم صلعم کی صداقت کا بیّن ثبوت ملتا ہے کہ آپ باوجود اُمّی ہونے اور کسی کتاب یا علم سے استفادہ نہ کرنے کے ایسے منقح و منضبط تاریخی حقائق کا انکشاف فرما رہے ہیں جن کے بیان کی بجز اعلام ربانی کے کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً قریش مکّہ کے لئے (جو یہود کے اکسانے سے اس قصّہ کے متعلق حضورؐ سے سوال کر رہے تھے) اس واقعہ میں بڑا عبرت آموز سبق ہے کہ جس طرح حضرت یوسف کو بھائیوں نے گھر سے نکالا۔ ازراہ حسد قتل یا جلاوطن کرنے کے مشورے کئے۔ طرح طرح سے ایذائیں پہنچائیں۔ اہانت و استخفاف میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ آخر ایک دن آیا کہ یوسف کی طرف نادم و محتاج ہو کر آئے۔ یوسف علیہ السلام کو خدا نے دین و دنیا کے اعلیٰ مناصب پر فائز کیا اور انھوں نے اپنے عروج و اقتدار کے وقت بھائیوں کے جرائم سے چشم پوشی کی اور نہایت دریا دلی سے سب کے قصور معاف کر دیے۔ ٹھیک اسی طرح حضرت محمّد رسول اللہ صلعم کی برادری نے آپ کے متعلق ناپاک منصوبے باندھے، دُکھ پہنچائے، عزت و آبرو پر حملے کئے، حتیٰ کہ وطن چھوڑنے پر مجبور کیا لیکن جلد وہ دن آنیوالا تھا جب وطن سے علیحدہ ہو کر آپ کی کامیابی اور رفعت شان کا آفتاب چمکا، اور چند سال کے بعد فتح مکّہ کا وہ تاریخی دن آ پہنچا جبکہ آپ نے اپنے قومی اور وطنی بھائیوں کی گذشتہ تقصیرات پر بعینہٖ حضرت یوسف والے کلمات "لا تثریب علیکم الیوم"، فرما کر قلم عفو کھینچ دیا۔

يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ

اگر مسافر کہ اُٹھالے جائے اُس کو کوئی اور ڈال دو اُس کو گمنام کنوئیں میں یوسف کو

كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿۱۰﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا

اور ہم تو کیا بات ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا یوسف پر بولے اے باپ تم کو کرنا ہے ف۱

لَهُ لَنَاصِحُونَ ﴿۱۱﴾ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۱۲﴾

اور ہم تو اُس کے نگہبان ہیں ف۳ بھیج اُس کو ہمارے ساتھ کل کو خوب کھائے اور کھیلے اُسکے خیرخواہ ہیں ف۲

قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ

اور تم اور ڈرتا ہوں اِس سے کہ کھا جائے اُسکو بھیڑیا مجھ کو غم ہوتا ہے اِس سے کہ تم اُسکو لے جاؤ بولا

عَنْهُ غَافِلُونَ ﴿۱۳﴾ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا

تو تو ہم نے اور ہم ایک جماعت ہیں قوت ور اگر کھا گیا اُس کو بھیڑیا بولے اُس سے بیخبر رہو ف۴

لَخَاسِرُونَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ

گمنام کنوئیں کہ ڈالیں اُسکو اور متفق ہوئے پھر جب لے کر چلے اُس کو سب کچھ گنوا دیا ف۵

الْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۵﴾

اور وہ تجھ کو نہ جانینگے ف۶ اُن کا یہ کام کہ تو جتائیگا اُن کو اور ہمنے اشارہ کر دیا اُس کو میں

وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿۱۶﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ

اور ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو کہنے لگے اے باپ ف۷ اور آئے اپنے باپ کے پاس اندھیرا پڑے روتے ہوئے

تَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۖ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا

ہمارا کہنا اور تو باور نہ کریگا پھر اُس کو کھا گیا بھیڑیا ف۸ اپنے اسباب کے پاس چھوڑا یوسف کو

وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿۱۷﴾ وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ

بولا یہ ہرگز نہیں ف۱۰ لہو لگا کر جھوٹ اور لائے اُس کے کرتے پر اور اگرچہ ہم سچے ہوں ف۹

سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ

اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر اب صبر ہی بہتر ہے بلکہ بنا دی ہے تم کو تمہارے جیوں نے ایک بات

الثلثة

ف۱ حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف اور اُن کے عینی بھائی بنیامین سے بہت زیادہ محبّت کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں اپنے علاّتی بھائیوں سے چھوٹے تھے، والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اور خاص حضرت یوسف کی نسبت اپنے نورِ فراست یا الہام ربانی سے سمجھ چکے تھے کہ ان کا مستقبل نہایت درخشاں ہے اور نبوت کا خاندانی سلسلہ ان کی ذات سے وابستہ ہونیوالا ہے۔ خود یوسف علیہ السلام کا حسن صورت و سیرت اور کمال ظاہری و باطنی پدر بزرگوار کی محبّت خصوصی کو اپنی طرف جذب کرتا تھا۔ دوسرے بھائیوں کو یہ چیز ناگوار تھی۔ وہ کہتے تھے کہ وقت پر کام آنیوالے تو ہم ہیں۔ ہمارا ایک طاقتور جتھا ہے جو باپ کی ضعیفی میں کام آسکتا ہے۔ ان چھوٹے لڑکوں سے کیا امید ہو سکتی ہے؟ ان ہی خیالات کے ماتحت اپنے والد بزرگوار کی نسبت کہتے تھے کہ وہ اس معاملہ میں سخت غلطی اور صریح خطا پر ہیں۔ اپنے نفع و نقصان کا صحیح موازنہ نہیں کرتے۔

ف۱۱ یعنی رشک و حسد کی آگ اندر ہی اندر سُلگتی رہی۔ آخر آپس میں مشورہ کیا کہ یوسف کی موجودگی میں ممکن نہیں کہ والد بزرگوار کی خصوصی محبّت و توجہ کو ہم اپنی طرف کھینچ سکیں، اس لئے یوسف کا قصہ ہی یہاں سے ختم کر دینا چاہیئے خواہ قتل کر دو یا کسی دور دراز ملک کی طرف پھینک دو جہاں سے واپس نہ آسکے۔ جب وہ نہ رہینگے تو باپ کی ساری توجہات اور مہربانیوں کے ہم ہی تنہا حقدار رہ جائینگے۔ بنیامین کے معاملہ کو غالباً اُن کے یہاں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ گویا اُس کی محبّت کو یوسف کی محبّت کا ضمیمہ سمجھتے تھے۔ **ف۱۲** یعنی ایک مرتبہ قتل وغیرہ کا گناہ کرنا پڑیگا۔ اُس سے فارغ ہو کر توبہ کر لینگے اور خوب نیک بن جائینگے، گویا رِند کے رِند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ بعض مفسرین نے "وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ" کے معنی یہ لئے ہیں کہ یوسف کے بعد ہمارے سب کام ٹھیک اور درست ہو جائینگے کیونکہ پدر بزرگوار کا دست شفقت یوسف سے مایوس ہو کر صرف ہمارے ہی سروں پر رہا کریگا۔

فوائد صفحہ ہذا۔ ف۱ یہ کہنے والا "یہودا" تھا یعنی قتل کرنا بہت سخت بات ہے اور ہمارا مقصد بدون اس کے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر تم یوسف کو یہاں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہو تو آسان صورت یہ ہے کہ اُس کو بستی سے دُور کسی گمنام کنوئیں میں ڈال دو۔ ابوحیان نے بعض اہل لغت سے نقل کیا ہے کہ "غَيَابَتِ الْجُبِّ" اُس طاقچہ وغیرہ کو کہتے ہیں جو کنوئیں (باؤلی) میں پانی سے ذرا اوپر بنا ہوا ہو۔ غرض یہ تھی کہ ہم خواہی نخواہی عمداً ہلاک کرنے کا گناہ اپنے سر نہ لیں۔ ایسے کنوئیں میں ڈالدینے کے بعد بہت ممکن ہے کوئی مسافر اُدھر سے گزرے اور خبر پاکر کنوئیں سے نکال لے جائے۔ اس صورت میں ہمارا مقصد حاصل ہو جائیگا اور خون ناحق میں ہاتھ رنگین نہ کرنے پڑینگے گویا سانپ مر جائیگا اور لاٹھی نہ ٹوٹے گی۔ **ف۲** اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی باپ سے اس قسم کی درخواست کر چکے تھے مگر اُن کا دل اُن کے ساتھ بھیجنے پر مطمئن نہیں ہوا۔ **ف۳** یعنی ایسے خوبصورت بچے کے تو گھر میں خالی پڑے رہنے سے بیکار ہوئے جاتے ہیں۔ (باقی [illegible])

بقیہ فوائد صفحہ ۳۱۳ - مناسب ہے کہ ہمارے ساتھ اس کو بکریاں چرانے کے لئے جنگل بھیجد یجئے۔ وہاں جنگل کے پھل میوے خوب کھائیگا اور کھیل کود سے جسمانی ورزش بھی ہو جائیگی۔ کہتے ہیں اُن کا کھیل بھاگ دوڑ اور تیر اندازی تھی۔ اور ویسے بھی بچوں کے لئے مناسب حد تک کھیلنا جیسا کہ ابوحیان نے کہا ہے نشاط و شگفتگی کا موجب ہے۔ غرض یعقوب علیہ السلام سے یوسف کو ساتھ لیجانے کی پُرزور درخواست کی اور نہایت مؤکد طریقہ سے اطمینان دلایا کہ ہم برابر اُس کی حفاظت کرینگے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ خود یوسف کو بھی جداگانہ طور پر ساتھ چلنے اور باپ سے اجازت لینے کی ترغیب دی۔ **ف۴** یعنی یوسف کی جدائی اور تمہارے ساتھ جانے کا تصور ہی مجھے غمگین بنائے دیتا ہے اُس پر یہ خوف مزید رہا کہ بچہ ہے۔ تمہاری بے خبری اور غفلت میں بھیڑیا وغیرہ کوئی درندہ نہ پھاڑ کھائے۔ لکھا ہے کہ اُس جنگل میں بھیڑیئے کثرت سے تھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "اُن کو آگے چل کر بھیڑیئے کا بہانہ کرنا تھا وہ ہی اُنکے دل میں خوف آیا"۔ بعض محققین کا خیال یہ ہے کہ "اَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ" فرمانا حضرت یعقوب جیسے پیغمبر کے درجۂ توکل و تفویض سے ذرا نازل بات تھی۔ اُس کا جواب یہ ملا کہ لڑکوں نے گویا اُن کے منہ میں سے بات پکڑلی۔ جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ ہی واقعہ بنا کر لے آئے۔ **ف۵** یعنی اگر ہماری جیسی طاقتور جماعت کی موجودگی میں چھوٹے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے تو سمجھو کہ ہم بالکل ہی گئے گذرے ہوئے اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا کہ دس گیارہ تنومند بھائیوں کی آنکھوں کے سامنے سے ایک کمزور بچہ بھیڑیئے کے منہ میں پہنچ جائے۔ ایسا ہو تو کہنا چاہئے کہ ہم نے اپنا سب کچھ گنوا دیا۔

مَا تَصِفُوْنَ (۱۸) وَجَآءَتْ سَیَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰی دَلْوَهٗ ؕ

جو تم ظاہر کرتے ہو ف۱ اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پانی بھرنے والا، اُسنے لٹکایا اپنا ڈول

قَالَ یٰبُشْرٰی هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا

کہنے لگا کیا خوشی کی بات ہے یہ ہے ایک لڑکا ف۲ اور چھپالیا اُسکو تجارت کا مال سمجھ کر ف۳ اور اللہ خوب جانتا ہے

یَعْمَلُوْنَ (۱۹) وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِیْهِ

جو کچھ وہ کرتے ہیں ف۴ اور بیچ آئے اُسکو بھائی ناقص قیمت کو گنتی کی چونیاں ف۵ اور ہو رہے تھے

مِنَ الزّٰهِدِیْنَ (۲۰) وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ

اُس سے بیزار ف۶ اور کہا جس شخص نے خرید کیا اُس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ

ع ۲ / ۱۴

مَثْوٰىهُ عَسٰۤی اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ

اُس کو شاید ہمارے کام آئے یا ہم کرلیں اُس کو بیٹا ف۷ اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو

فِی الْاَرْضِ ۫ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤی

اُس ملک میں اور اس واسطے کہ اسکو سکھائیں کچھ ٹھکانے پر بٹھانا باتوں کا ف۸ اور اللہ طاقتور رہتا ہے اپنے

اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۲۱) وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ

کام میں ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ف۹ اور جب پہنچ گیا اپنی قوت کو دیا ہمنے اسکو

حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (۲۲) وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ

حکم اور علم ف۱۰ اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو ف۱۱ اور پھسلایا اُسکو اُس عورت نے

فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ

جس کے گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کر دیے دروازے اور بولی شتابی کر ف۱۲

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۳)

کہا خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھکو، بیشک بھلائی نہیں پاتے جو لوگ کہ بے انصاف ہوں ف۱۳

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ

اور البتہ عورت نے فکر کیا اُس کا اور اُسنے فکر کیا عورت کا ف۱۴، اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی ف۱۵ یوں ہی ہوا

ف۶ مفسرین نے بہت سے درمیانی قصّے نہایت درد انگیز اور رقت خیز پیرایہ میں نقل کئے ہیں جنہیں سُن کر پتھر کا کلیجہ موم ہو جائے۔ خدا جانے وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ قرآن کریم اپنے خاص نصب العین کے اعتبار سے اس قسم کی تفاصیل کو زیادہ درخورِ اعتنا اور لائق ذکر نہیں سمجھتا کیونکہ ان اجزاء سے کوئی مہم مقصد متعلق نہیں ہے۔ قرآن کریم اپنے سامعین کے دلوں میں وہ رقت پیدا کرنا چاہتا ہے جس کا منشا رخاص ایمان و عرفان ہو۔ عام رقت جو ہر کافر و مومن بلکہ حیوانات تک میں طبعًا مشترک ہے اُس پر عام خطباء کی طرح زور ڈالنا قرآن کی عادت نہیں۔ یہاں بھی اُس نے درمیانی واقعات حذف کر کے آخری بات بتلادی کہ برادرانِ یوسف یوسف کو بلطائف الحیل باپ کے پاس سے لیگئے اور ٹھہری ہوئی قرار داد کے موافق کنوئیں میں ڈالنے کا تہیہ کرلیا۔ اُس وقت ہم نے یوسف کو اشارہ کیا جس کی دوسروں کو مطلق خبر نہیں ہوئی کہ گھبراؤ نہیں، ایک وقت آیا چاہتا ہے کہ یہ سب کارروائیاں تم ان کو یاد دلاؤ گے اور اُس وقت تم ایسے بلند مقام اور اعلیٰ مرتبہ پر ہوگے کہ یہ تم کو پہچان نہ سکیں گے یا طول عہد کی وجہ سے تم کو شناخت نہ کرسکینگے۔ یہ خدائی اشارہ خواب میں ہوا یا بیداری میں، بطریق الہام ہوا یا فرشتہ کے ذریعہ سے، اس کی تفصیل قرآن میں نہیں۔ البتہ ظاہر الفاظ کو دیکھ کر کہا گیا ہے کہ وحی کا آنا چالیس برس کی عمر پر موقوف نہیں ہے کیونکہ حضرت یوسف اس وقت بہت کم عمر تھے۔ واللہ اعلم۔

ف۷ یا تو گھر پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو گیا یا جان بوجھ کر اندھیرے سے آئے کہ دن کے اُجالے میں باپ کو منہ دکھانا زیادہ مشکل تھا اور رات کی سیاہ چادر بے حیائی، سنگدلی اور جھوٹی آہ و بکا کی کسی حد تک پردہ داری کرسکتی تھی۔ اعمش نے خوب فرمایا کہ برادرانِ یوسف کا گریہ و بکا سننے کے بعد ہم کسی شخص کو محض چشمِ اشکبار سے سچا نہیں سمجھ سکتے۔

ف۸ یعنی ہم نے حفاظت میں کچھ کوتاہی نہیں کی۔ ہمارے کپڑے لتے وغیرہ قابل حفاظت چیزیں جہاں رکھی تھیں وہیں یوسف کو بٹھلایا اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کو بھاگ دوڑ شروع کی۔ بس ذرا آنکھ سے اوجھل ہونا تھا کہ بھیڑیئے نے یوسف کو آدبوچا۔ اُس موقع پر اتنی ذرا سی دیر میں احتمال بھی نہ تھا کہ بھیڑیا پہنچ کر فوراً یوسف کو شکار کرلیگا۔ **ف۹** یعنی یوسف کے معاملہ میں پہلے ہی سے آپ کو ہماری طرف بدگمانی ہے۔ اگر آپ کے نزدیک ہم بالکل سچے بھی ہوں تب بھی اس معاملۂ خاص میں کسی طرح ہماری بات کا یقین نہیں کرسکتے۔ **ف۱۰** ایک بکری یا ہرن وغیرہ ذبح کر کے اُس کا خون یوسف کی قمیص پر چھڑک لائے تھے وہ جھوٹا خون پیش کر کے باپ کو یقین دلانے لگے، کہ بھیڑیئے کے زخمی کرنے سے یہ کرتہ خون آلود ہو گیا۔ **فوائد صفحہ ہذا - ف۱** بھلا جس کو شام میں بیٹھ کر مصر سے یوسف کے کرتہ کی خوشبو آتی تھی وہ بکری کے خون پر یوسف کے خون کا گمان کب کرسکتا تھا۔ انہوں نے سنتے ہی جھٹلا دیا۔ اور جیسا کہ بعض تفاسیر میں ہے کہنے لگے کہ وہ بھیڑیا واقعی بڑا حلیم و متین ہوگا جو یوسف کو لے گیا اور خون آلود کرتہ کو نہایت احتیاط سے صحیح و سالم اتار کر رکھ گیا۔ سچ ہے "دروغگو را حافظہ نباشد"، خون کے چھینٹے تو دیے مگر یہ خیال نہ رہا کہ قمیص کو بے ترتیبی سے نوچ کر اور پھاڑ کر پیش کرتے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صاف طور پر فرمادیا کہ یہ سب تمہاری سازش اور اپنے دلوں سے تراشی ہوئی باتیں ہیں۔ بہرحال میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں جس میں نہ کسی غیر کے سامنے شکوہ ہوگا نہ تم سے انتقام کی کوشش۔ صرف اپنے خدا سے دعاء کرتا ہوں کہ اس صبر میں میری مدد فرمائے اور اپنی اعانت غیبی سے جو باتیں تم ظاہر کر رہے ہو، اُن کی حقیقت اس طرح آشکار کردے کہ سلامتی کے ساتھ یوسف سے دوبارہ ملنا نصیب ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ جس امتحان میں وہ مبتلا کئے گئے ہیں وہ پورا ہو کر رہیگا اور ایک مدت معین کے بعد اس مصیبت سے نجات ملیگی۔ فی الحال ڈھونڈھنے یا انتقامی تدابیر اختیار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ (بقیہ صفحہ ۳۱۵)

بقیہ فوائد صفحہ ۳۱۴ - یوسف ابھی ملیں گے نہیں۔ ہاں دوسرے بیٹے ساری دنیا میں رسوا ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ طیش میں آکر خود یعقوب علیہ السلام کو ایذا پہنچانے کی کوشش کریں۔ کذا قال الامام الرازی فی الکبیر۔ واللہ اعلم۔ **ف۲** کہتے ہیں تین روز تک یوسف علیہ السلام کنوئیں میں رہے۔ قدرت الٰہی نے حفاظت کی۔ ایک بھائی یہودا کے دل میں ڈال دیا کہ وہ ہر روز کنوئیں میں کھانا پہنچا آتا تھا۔ ویسے بھی سب بھائی خبر رکھتے تھے کہ مرے نہیں کسی دوسرے ملک کا مسافر نکال لے جائے تو ہمارے درمیان سے یہ کانٹا نکل جائے۔ سچ ہے گُل است سعدی و در چشم دشمناں خار است۔ آخر مدین سے مصر کو جانیوالا ایک قافلہ اُدھر سے گذرا، انہوں نے کنواں دیکھ کر اپنا آدمی پانی بھرنے کو بھیجا اُس نے ڈول پھانسا تو حضرت یوسف چھوٹے تو تھے ہی ڈول میں ہو بیٹھے اور رسی ہاتھ سے پکڑ لی کھینچنے والے نے اُن کا حُسن و جمال دیکھ کر بے ساختہ خوشی سے پکارا کہ یہ تو عجیب لڑکا ہے بڑی قیمت کو بکے گا۔ **ف۳** یعنی کھینچنے والے نے اس واقعہ کو دوسرے ہمراہیوں سے چھپانا چاہا کہ اوروں کو خبر ہوگی تو سب شریک ہو جائینگے۔ شاید یہ ظاہر کیا کہ یہ غلام اُس کے مالکوں نے مجھ کو دیا ہے تا مصر کے بازار میں فروخت کروں۔ **ف۴** یعنی بھائی بے وطن کرنا چاہتے تھے اور قافلہ والے بیچ کر دام وصول کرنے کا ارادہ کر رہے تھے اور خدا تعالیٰ خزائن مصر کا مالک بنانا چاہتا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو ان کارروائیوں کو ایک سیکنڈ میں روک دیتا لیکن اُس کی مصلحت تاخیر میں تھی، اس لئے سب چیزوں کو جانتے اور دیکھتے ہوئے انہیں ڈھیل دیگئی۔

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾
تاکہ ہٹائیں ہم اُس سے برائی اور بیحیائی البتہ وہ ہے ہمارے برگزیدہ بندوں میں **ف۱**
وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا
اور دونوں دوڑے دروازہ کو اور عورت نے چیر ڈالا اُس کا کُرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے
لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ
خاوند سے دروازہ کے پاس **ف۲** بولی اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ قید میں ڈالا جائے
اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ
یا عذاب دردناک **ف۳** یوسف بولا اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھاموں اپنے جی کو اور گواہی دی ایک گواہ نے
مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ
عورت کے لوگوں میں سے **ف۴** اگر ہے کُرتہ اُس کا پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے اور
هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ
وہ ہے جھوٹا اور اگر ہے کُرتا اُس کا پھٹا پیچھے سے
فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ
تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے پھر جب دیکھا عزیز نے کُرتا اُس کا پھٹا ہوا
دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ
پیچھے سے کہا بیشک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا البتہ تمہارا فریب بڑا ہے یوسف جانے دے
عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ وَ
اس ذکر کو اور عورت تو بخشوا اپنا گناہ بیشک تو ہی گنہگار تھی **ف۵** اور
قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ
کہنے لگیں عورتیں اُس شہر میں عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اُس کے جی کو
قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ
فریفتہ ہوگیا اُسکا دل اُسکی محبت میں، ہم تو دیکھتے ہیں اُس کو صریح خطا پر **ف۶** پھر جب سُنا اُس نے اُن کا فریب **ف۷**

ف۵ بھائیوں کو خبر ہوئی کہ قافلہ والے نکال لے گئے۔ وہاں پہنچے اور ظاہر کیا کہ یہ ہمارا غلام بھاگ آیا ہے چونکہ اسے بھاگنے کی عادت ہے اس لئے ہم رکھنا نہیں چاہتے، تم خریدو تو خرید سکتے ہو۔ مگر بہت سخت نگرانی رکھنا کہیں بھاگ نہ جائے کہتے ہیں اٹھارہ درم یا کم و بیش میں بیچ ڈالا۔ اور نو بھائیوں نے دو دو درہم (تقریباً آٹھ آٹھ آنے) بانٹ لئے۔ ایک بھائی یہودا نے حصہ نہیں لیا۔

ف۶ یعنی اس قدر ارزاں بیچنے سے تعجب مت کرو۔ وہ اتنے بیزار تھے کہ مفت ہی دے ڈالتے تو مستبعد نہ تھا۔ جو پیسے مل گئے غنیمت سمجھا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت میں اُس بیع کا ذکر ہے جو قافلہ والوں نے مصر پہنچ کر کی۔ اگر ایسا ہو تو کہا جائیگا کہ پڑی ہوئی چیز کی قدر نہ کی اور یہ اندیشہ رہا کہ پھر کوئی آکر دعویٰ نہ کر بیٹھے۔ نیز آبق (بھگوڑا) ہونے کا عیب سُن چکے تھے، اس لئے سستے داموں بیچ ڈالا۔ والظاہر ہو الاول۔ واللہ اعلم۔

ف۷ کہتے ہیں مصر پہنچ کر نیلام ہوا۔ عزیز مصر جو وہاں کا مدار المہام تھا، اُس کی بولی پر معاملہ ختم ہوا۔ اُس نے اپنی عورت "زلیخا یا راعیل" سے کہا کہ نہایت پیارا، قبول صورت، اور ہونہار لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ اُس کو پوری عزت و آبرو سے رکھو۔ غلاموں کا معاملہ مت کرو۔ شاید بڑا ہو کر ہمارے کام آئے۔ ہم اپنا کاروبار اس کے سپرد کر دیں۔ یا جب اولاد نہیں ہے تو بیٹا بنا لیں۔

ف۸ یعنی ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور تدبیر لطیف سے یوسف کو بھائیوں کی حاسدانہ سختیوں اور کنوئیں کی قید سے نکال کر عزیز مصر کے یہاں پہنچا دیا۔ پھر اُس کے دل میں یوسف کی محبت و وقعت القا فرمائی اس طرح ہم نے اُن کو مصر میں ایک معزز جگہ دی اور اہل مصر کی نظروں میں انکو وجیہ و محبوب بنا دیا۔ تا یہ چیز آئندہ ترقیات اور سربلندیوں کا پیش خیمہ ہو۔ اور بنی اسرائیل کو مصر میں بسانے کا ذریعہ بنے۔ ساتھ ہی یہ بھی منظور تھا کہ عزیز مصر کے یہاں رہ کر بڑے سرداروں کی صحبت دیکھیں تا سلطنت کے رموز و اشارات سمجھنے اور تمام باتوں کو اُن کے ٹھکانے پر بٹھانے کا کامل سلیقہ اور تجربہ حاصل ہو (تنبیہ) اسی سورت کے پہلے رکوع میں "تاویل الاحادیث" کا لفظ گذر چکا ہے۔ اس کی تفسیر وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

ف۹ یعنی بھائیوں نے یوسف کو گرانا چاہا۔ خدا نے اُن کو آسمان رفعت پر پہنچا دیا۔ اکثر لوگ کوتاہ نظری سے دیکھتے نہیں کہ انسانی تدبیروں کے مقابلہ میں کس طرح خدا کا بندوبست غالب آتا ہے۔

ف۱۰ یعنی جب یوسف کے تمام قویٰ حد کمال کو پہنچ گئے تو خدا کے یہاں سے عظیم الشان علم و حکمت کا فیض پہنچا۔ نہایت مشکل عقدے اپنی فہم رسا سے حل کرتے، بڑی خوبی اور دانائی سے لوگوں کے نزاعات چکاتے، دین کی باریکیاں سمجھتے، جو زبان سے کہتے وہ کر کے دکھاتے۔ سفیہانہ اخلاق سے قطعاً پاک و صاف اور علم شرائع کے پورے ماہر تھے۔ تعبیر رؤیا کا علم تو اُن کا مخصوص حصہ تھا۔ **ف۱۱** جو لوگ فطرت کی رہنمائی یا تقلید صالحین اور توفیق ازلی سے نوائب و حوادث پر صابر رہ کر عمدہ اخلاق اور نیک چال چلن اختیار کرتے ہیں، حق تعالیٰ اُن پر ایسے ہی انعام فرماتا ہے۔ **ف۱۲** اُدھر تو الطاف غیبیہ حضرت یوسف کی عجیب و غریب طریقہ سے تربیت فرما رہے تھے۔ اِدھر عزیز کی بیوی (زلیخا) نے اُن کے سامنے ایک نہایت ہی مزلۃ الاقدام موقع امتحان کا کھڑا کر دیا یعنی حضرت یوسف کے حُسن و جمال پر زلیخا مفتون ہوگئی اور دلکشی و ہوشربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسف کے دل کو اُنکے قابو سے باہر کر دے۔ ایک طرف عیش و نشاط کے سامان، نفسانی جذبات پورے کرنے کے لئے ہر قسم کی سہولتیں، یوسف علیہ السلام کا ہر وقت زلیخا کے گھر میں موجود رہنا، اُس کا نہایت محبت اور پیار سے رکھنا، تنہائی کے وقت خود عورت کی طرف سے ایک خواہش کا بیتابانہ اظہار کسی غیر کے آنے جانے کے سب دروازے بند، دوسری طرف جوانی کی عمر، قوت کا زمانہ، مزاج کا اعتدال، تجرد کی زندگی، یہ سب دواعی و اسباب ایسے تھے جن سے ٹکرا کر بڑے سے بڑے زاہد کا تقویٰ بھی پاش پاش ہو جاتا۔ مگر خدا نے جس کو محسن قرار دے کر علم و حکمت کے رنگ میں رنگین کیا اور پیغمبرانہ عصمت کے بلند مقام پر پہنچایا، اُس پر کیا مجال تھی کہ شیطان کا قابو چل جاتا۔ اُس نے ایک لفظ کہا "معاذ اللہ" (خدا کی پناہ) اور شیطانی جال کے سارے حلقے توڑ

(بقیہ صفحہ ۳۱۶ پر)

بقیہ فوائد صفحہ ۳۱۴ - کیونکہ جس نے خدا کی پناہ لی اُس پر کس کا وار چل سکتا ہے؟
ف۱۳ یعنی خدا کی پناہ میں ایسی قبیح حرکت کیسے کر سکتا ہوں؟ علاوہ بریں "عزیز" میرا مُربّی ہے جس نے مجھے ایسی عزّت وراحت سے رکھا، کیا میں اپنے مُحسن کے ناموس پر حملہ کروں؟ ایسی مُحسن کُشی اور بے انصافی کرنیوالے کبھی بھلائی اور کامیابی کا مُنہ نہیں دیکھ سکتے۔ نیز جب ظاہری مُربّی کا ہم کو اس قدر پاس ہے تو سمجھ لو کہ اُس پروردگار حقیقی سے ہمیں کس قدر شرمانا اور حیا کرنا چاہئے جس نے محض اپنے فضل سے ہماری تربیت فرمائی اور اپنے بندوں کو ہماری خدمت وراحت رسانی کے لئے کھڑا کر دیا۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے "اِنَّهٗ رَبِّیْ" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کی ہے۔
ف۱۴ یعنی عورت نے پھانسنے کی فکر کی اور اُس نے فکر کی کہ عورت کا داؤ چلنے نہ پائے۔ اگر اپنے رب کی حُجّت وقدرت کا معائنہ نہ کرتا تو ثابت قدم رہنا مشکل تھا۔ بعض مفسرین نے "وَهَمَّ بِهَا" کو "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ" سے علیحدہ کر کے "لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ" سے متعلق کیا ہے۔ جیسے "اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا" کی ترکیب ہے۔ اس وقت مقصود یوسف کے حق میں "ہم" کا ثابت کرنا نہیں، بلکہ نفی کرنا ہے۔ ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ عورت نے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے پروردگار کی قدرت وحُجّت نہ دیکھ لیتا۔ بعض نے "وَهَمَّ بِهَا" میں لفظ "هَمَّ" کو بمعنی میلان ورغبت کے لیا ہے۔ یعنی یوسف کے دل میں کچھ رغبت ومیلان بے اختیار پیدا ہوا۔ جیسے روزہ دار کو گرمی میں ٹھنڈے پانی کی طرف طبعاً رغبت ہوتی ہے لیکن نہ وہ پینے کا ارادہ کرتا ہے نہ یہ بے اختیاری رغبت کچھ مضر ہے۔ بلکہ باوجود رغبت طبعی کے اُس سے قطعاً محترز رہنا مزید اجر وثواب کا موجب ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ ایسے اسباب ودواعی قویہ کی موجودگی سے طبع بشری کے موافق بلا اختیار وارادہ یوسف علیہ السلام کے دل میں کسی قسم کی رغبت ومیلان کا پایا جانا نہ عصمت کے منافی ہے نہ اُن کے مرتبہ کو گھٹاتا ہے۔ بلکہ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ اگر بندہ کا میلان کسی برائی کی طرف ہوا لیکن اُس پر عمل نہ کیا تو اُس کے فرد حسنات میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ اُس نے (باوجود رغبت ومیلان) میرے خوف سے اُس بُرائی کو ہاتھ نہ لگایا۔ بہرحال باوجود اشتراک لفظی کے زلیخا کے "ہم" اور یوسف کے "ہم" میں زمین آسمان کا تفاوت ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے دونوں کے "ہم" کو ایک ہی لفظ میں جمع نہیں کیا اور نہ زلیخا کے "ہم" کی طرح یوسف کے "ہم" پر "لام" اور "قد" داخل کیا گیا۔ بلکہ سباق وسیاق میں بہت سی دلائل یوسف علیہ السلام کی طہارت ونزاہت پر قائم فرمائیں جو غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ تفصیل "روح المعانی" اور "کبیر" وغیرہ میں موجود ہے۔
ف۱۵ "بُرہان" دلیل وحُجّت کو کہتے ہیں یعنی اگر یوسف علیہ السلام اُس وقت اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے تو قلبی میلان پر چل پڑتے۔ دلیل کیا تھی؟ زنا کی حُرمت وشناعت کا وہ عین الیقین جو حق تعالیٰ نے اُن کو عطا فرمایا۔ یا وہ ہی دلیل جو خود انہوں نے زلیخا کے مقابلہ میں "اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ" کہہ کر پیش کی۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت سے اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نظر آئے کہ انگلی دانتوں میں دبائے سامنے کھڑے ہیں۔ بعض نے کہا کہ کوئی غیبی تحریر نظر پڑی جس میں اس فعل سے روکا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔
فوائد صفحہ ۳۱۵ - **ف۱** یعنی یہ بُرہان دکھانا اور اسی طرح ثابت قدم رکھنا اس لئے تھا کہ یوسف ہمارے برگزیدہ بندوں میں ہیں۔ لہٰذا کوئی چھوٹی بڑی بُرائی خواہ ارادہ کے درجہ میں ہو یا عمل کے، اُن تک نہ پہنچ سکے۔
ف۲ آگے یوسف تھے کہ جلدی دروازہ کھول کر نکل جائیں۔ اور پیچھے زلیخا انہیں روکنے کے لئے تعاقب کر رہی تھیں۔ اتفاقاً یوسف کے قمیص کا پچھلا حصہ زلیخا کے ہاتھ میں آگیا۔ اُس نے پکڑ کر کھینچنا چاہا۔ کھینچا تانی میں کُرتہ پھٹ گیا۔ مگر یوسف جوں توں کر کے مکان سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اِدھر یہ دونوں آگے پیچھے دروازہ پر پہنچے، اُدھر عورت کا خاوند عزیز مصر بھی پہنچ گیا۔ عورت نے فوراً بات بنانی شروع کی۔
ف۳ عورت نے الزام یوسف پر رکھا کہ اُس نے مجھ سے بُرا ارادہ کیا۔ ایسے شخص کی سزا یہ ہونی چاہئے کہ جیلخانہ بھیجا جائے یا کوئی اور سخت مار پڑے۔
ف۴ اب یوسف کو واقعہ ظاہر کرنا پڑا کہ عورت نے میرے نفس کو بے قابو کرنا چاہا۔ میں نے بھاگ کر جان بچائی۔ یہ جھگڑا ابھی چل رہا تھا کہ خود عورت کے خاندان کا ایک گواہ عجیب طریقہ سے یوسف کے حق میں گواہی دینے لگا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیر خوار بچّہ تھا، جو خدا کی قدرت سے حضرت یوسف کی براءت ووجاہت عند اللہ ظاہر کرنے کو بول پڑا۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ بچّہ نہیں کوئی مردِ دانا تھا جس نے ایسی پتہ کی بات کہی۔ واللہ اعلم۔
ف۵ اگر گواہ شیر خوار بچہ تھا جیسا کہ بعض معتبر روایات میں ہے تب تو اُس کا بولنا اور ایسی گواہی دینا جو انجام کار یوسف کے حق میں مفید ہو، خود مستقل دلیل یوسف کی سچائی کی تھی۔ کُرتہ کا آگے یا پیچھے سے پھٹا ہونا شہادت سے زائد بطور ایک علامت اور قرینہ کے سمجھنا چاہئے۔ اور اگر گواہ کوئی مرد دانا تھا تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خارجی طریقہ سے حقیقت حال پر مطلع ہو چکا تھا مگر اُس نے نہایت دانائی سے ایسے پیرایہ میں شہادت دی جو دفعتہً کسی کی جانبداری پر بھی محمول نہ ہو اور آخر کار یوسف کی براءت ثابت کر دے۔ جو پیرایہ اظہار واقعہ کا اُس نے اختیار کیا وہ غیر جانبداروں کے نزدیک نہایت معقول تھا۔ کیونکہ اگر عورت کے دعوے کے موافق یوسف نے (معاذ اللہ) اُسکی طرف اقدام کیا تو اُن کا چہرہ عورت کی طرف ہوگا تو ظاہر یہ ہے کہ کشمکش میں کُرتہ بھی سامنے سے پھٹے اور اگر یوسف کا کہنا صحیح ہے کہ عورت مجھ کو اپنی طرف بُلاتی تھی، میں دروازہ کی طرف بھاگا، اُس نے پکڑنے کے لیے پیر انعاقب کیا تو کھُلی ہوئی بات ہے، کہ کُرتہ پیچھے سے پھٹا ہوگا کیونکہ اس صورت میں یوسف اُسکی طرف متوجہ نہیں تھے بلکہ اُدھر سے پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے۔ بہرحال جب دیکھا گیا کہ کُرتہ آگے سے نہیں پیچھے سے پھٹا ہے۔ تو عزیز نے سمجھ لیا کہ یہ سب عورت کا مکر وفریب ہے، یوسف قصور وار نہیں۔ چنانچہ اُس نے صاف کہہ دیا کہ زلیخا کی پُرفریب کاروائی اُسی قسم کی ہے جو عموماً عورتیں کیا کرتی ہیں اُس نے یوسف سے استدعا کی کہ جو ہونا تھا ہو چکا آیندہ اس کا ذکر مت کرو کہ سخت رسوائی اور بدنامی کا موجب ہے۔ اور عورت کو کہا کہ یوسف سے یا خدا سے اپنے قصور کی معافی مانگ، یقیناً قصور تیرا ہی تھا۔
ف۶ یعنی شدہ شدہ شہر کی عورتوں نے کہنا شروع کیا کہ عزیز کی عورت اپنے نوجوان غلام پر مفتون ہو گئی۔ چاہتی ہے کہ اُس کے نفس کو بے قابو کر دے۔ غلام کی محبت اُس کے دل کی تہ میں پیوست ہو چکی ہے۔ حالانکہ ایسے معزز عہدہ دار کی بیوی کے لئے یہ سخت شرمناک بات ہے کہ وہ ایک غلام پر گرنے لگے۔ ہمارے نزدیک اس معاملہ میں وہ علانیہ غلطی پر ہے۔
ف۷ عورتوں کی گفتگو کو مکر (فریب) اس لئے کہا کہ مکاروں کی طرح چھُپ چھُپ کر یہ باتیں کرتی تھیں۔ اور زلیخا پر طعن کر کے گویا اپنی پارسائی کا اظہار مقصود تھا۔ حالانکہ یوسف کے بیمثال حُسن وجمال کا شہرہ جس عورت کے کان میں پڑتا تھا، اُس کی دید کا اشتیاق دل میں چٹکیاں لینے لگتا تھا۔ کچھ بعید نہیں کہ زلیخا پر طعن وتشنیع اور نکتہ چینی کرنیوالیوں کے دلوں میں یہی غرض پوشیدہ ہو کہ زلیخا کو غصّہ دلا کر کسی ایسی حرکت پر آمادہ کر دیں جو یوسف کے دیدار کا سبب بن جائے۔ یا زلیخا کے دل میں اُس کی نفرت بٹھا کر اپنی طرف مائل کرنے کا موقع نکالیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ زلیخا نے بعض عورتوں کو اس معاملہ میں اپنا رازدار بنایا ہو۔ اُس نے رازداری کی جگہ پردہ دری اور خوردہ گیری شروع کر دی بہرحال اُن کی گفتگو کو لفظ "مکر" سے ادا کرنے میں یہ سب احتمالات ہیں۔

أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ
بُلوا بھیجا اُن کو اور تیار کی اُن کے واسطے ایک مجلس اور دی اُن کو ہر ایک کے

مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۖ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ
ہاتھ میں ایک چھری اور بولی یوسف نکل آ اُن کے سامنے پھر جب دیکھا اُس کو ششدر رہ گئیں

وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا
اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ ف۱ اور کہنے لگیں حاشا للہ نہیں یہ شخص آدمی

إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٣١﴾ قَالَتْ فَذَٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي
یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ ف۲ بولی یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تھا تم نے مجھ کو

فِيهِ ۖ وَلَقَدْ رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِن لَّمْ
اُسکے واسطے ف۳ اور میں نے لینا چاہا تھا اُس سے اُس کا جی پھر اُس نے تھام رکھا ف۴ اور بیشک اگر

يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ
نہ کریگا جو میں اُس کو کہتی ہوں تو قید میں پڑیگا اور ہوگا بے عزت ف۵ یوسف بولا

رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي
اے رب مجھ کو قید پسند ہے اُس بات سے جس کی طرف مجھ کو بلاتی ہیں اور اگر تو نہ دفع کریگا مجھ سے

كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٣﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُ
اُن کا فریب تو مائل ہو جاؤنگا اُن کی طرف اور ہو جاؤنگا بے عقل ف۶ سو قبول کر لی اُسکی دُعا

رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ
اُسکے رب نے پھر دفع کیا اُس سے اُن کا فریب ف۷ البتہ وہی ہے سننے والا خبردار ف۸ پھر

بَدَا لَهُم مِّن بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٣٥﴾ ع
یوں سمجھ میں آیا لوگوں کی اُن نشانیوں کے دیکھنے پر کہ قید رکھیں اُس کو ایک مدت ف۹

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ
اور داخل ہوئے قید خانہ میں اُس کے ساتھ دو جوان کہنے لگا اُن میں سے ایک میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں

ف۱ یعنی دعوت کر کے اُن عورتوں کو بُلوا بھیجا اور کھانے پینے کی ایک مجلس ترتیب دی جس میں بعض چیزیں چاقو سے تراش کر کھانے کی تھیں۔ چنانچہ کھانے اور میوے وغیرہ اُن کے سامنے چُن کر ہر ایک عورت کے ہاتھ میں ایک چاقو دیدیا۔ تا تراشنے کے قابل چیزوں کے کھانے میں کسی کو کلفتِ انتظار اُٹھانا نہ پڑے۔ یہ سب سامان درست کر کے اُس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جو کہیں قریب ہی موجود تھے آواز دی کہ اِدھر نکل آئے۔ نکلنا تھا کہ بجلی سی کوندگئی، تمام عورتیں یوسف کے حُسن و جمال کا دفعۃً مشاہدہ کرنے سے ہوش و حواس کھو بیٹھیں۔ اور مدہوشی کے عالم میں چھُریوں سے پھلوں کی جگہ ہاتھ کاٹ لئے۔ گویا قدرت نے یہ ایک مستقل دلیل یوسف علیہ السلام کی نزاہت و صداقت پر قائم فرما دی کہ جس کے جمالِ بیمثال کی ذرا سی جھلک نے دیکھنے والی عورتوں کے حواس گُم کر دیے۔ بحالیکہ یوسف نے آنکھ اُٹھا کر بھی اُن کے حسن و خوبی کی طرف نہ دیکھا تو یقیناً واقعہ یوں ہی ہوا ہوگا کہ زلیخا اُس کے جمال ہوشرُبا کو دیکھ کر ہوش و خرد کھو بیٹھی۔ اور وہ معصوم فرشتہ کی طرح اپنا دامنِ عفت بچاتا ہوا صاف نکل گیا۔

ف۲ یعنی حُسن و جمال اور نورانی صورت کے اعتبار سے فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

قَوْمٌ إِذَا قُوبِلُوا كَانُوا مَلَائِكَةً ... حُسْنًا وَإِنْ قُوتِلُوا كَانُوا عَفَارِيتَا

یا حیاء و عفت اور پاکدامنی جو چہرہ اور چال ڈھال سے ٹپک رہی تھی اُسے دیکھ کر کہا کہ یہ آدمی نہیں کوئی معصوم فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔

ف۳ اب زلیخا کو موقع ملا کہ عورتوں کے طعن و تشنیع کا تیر اُن ہی کی طرف لوٹا دے۔ گویا اُس وقت "فَذَٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ" کہہ کر وہ اِس شعر کا خلاصہ ادا کر رہی تھی ؎

ایں است کہ خوں خوردہ و دل بُردہ بسے را ... بسم اللہ اگر تابِ نظر ہست کسے را

ف۴ مجمع کا رنگ دیکھ کر زلیخا بالکل ہی کھل پڑی اور واقعہ کا صاف صاف اظہار کر دیا کہ بیشک میں نے اُن کا دل لینا چاہا تھا، مگر اس بندۂ خدا نے ایسا مضبوط تھامے رکھا کہ کسی طرح نہ دیا۔ یہ خدا تعالیٰ نے شہر کی عورتوں کے مجمع میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کمالِ عصمت و عفت اور غایتِ نزاہت و طہارت کا اقبالی ثبوت پیش کرا دیا۔ زلیخا کا حال اس وقت وہ ہی تھا جو کسی نے کہا ہے ؎

لَا تُخْفِ مَا صَنَعَتْ بِكَ الْأَشْوَاقُ ... وَاشْرَحْ هَوَاكَ فَكُلُّنَا عُشَّاقُ

ف۵ زلیخا کی اس گفتگو میں کچھ تو عورتوں پر اپنی معذوری اور نامرادی کا اظہار تھا، تا اُن کی ہمدردی حاصل کر سکے۔ اور کچھ یوسف علیہ السلام کو تحکمانہ دھمکیوں سے مرعوب کرنا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو کر آئندہ اُس کی مطلب برآری پر آمادہ ہو جائیں۔ حالانکہ ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں ... کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

ف۶ معلوم ہوتا ہے کہ زلیخا کا مایوسانہ غصہ اور مظلومانہ اندازِ بیان اسکی ہمجنسوں پر اثر کر گیا۔ یا پہلے ہی سے کچھ ملی بھگت ہوگی، بہر حال لکھا ہے کہ اب عورتوں نے یوسف کو سمجھانا شروع کیا کہ تم کو اپنی محسنہ اور سیّدہ کا کہنا ماننا چاہیئے۔ آخر اس غریب پر اتنا ظلم کیوں کرتے ہو، پھر یہ بھی سوچ لو کہ نافرمانی کا نتیجہ کیا ہوگا خواہ مخواہ مصیبت سر پر لینے سے کیا فائدہ۔ کہتے ہیں کہ بظاہر زبان سے وہ زلیخا کی سفارش کر رہی تھیں مگر دل ہر ایک کا یوسف کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا تھا۔ یوسف نے جب دیکھا کہ یہ عورت بے طرح پیچھے پڑی ہے اور شیطان ہر طرف اپنا جال بچھانے لگا ہے تو نہایت عزم و استقلال اور پیغمبرانہ استقامت سے بارگاہ احدیت میں درخواست کی کہ مجھے ان کے مکر و فریب سے بچایئے اگر اس سلسلہ میں قید ہونا پڑے تو میں قید کو ارتکابِ معصیت پر ترجیح دیتا ہوں۔ اگر آپ میری دستگیری نہ فرمائینگے تو ڈر ہے کہ بے عقل ہو کر اُن کی ابلہ فریبیوں کی طرف نہ جھک پڑوں۔ یہاں یوسف علیہ السلام کی زبانی یہ جتلا دیا کہ انبیاء کی عصمت بھی حق تعالیٰ کی دستگیری سے ہے اور یہ کہ وہ اپنی عصمت پر مغرور نہیں ہوتے۔ بلکہ عصمت کا جو منشا ہے (حفاظت و صیانت الٰہی) اُسی پر نظر رکھتے ہیں۔

ف۷ یعنی اُن کو عصمت و عفت پر پوری طرح ثابت قدم رکھا کسی کا فریب چلنے نہ دیا۔

ف۸ یعنی سب کی دعائیں سنتا ہے اور خبر رکھتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مانگنے سے قید میں پڑے لیکن اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی قبول فرمایا کہ اُن کا فریب دفع کر دیا، باقی قید ہونا تھا قسمت میں۔ آدمی کو چاہیئے کہ گھبرا کر اپنے حق میں بُرائی نہ مانگے، پوری بھلائی مانگے گو ہوگا وہی جو قسمت میں ہے۔" ترمذی میں ہے کہ ایک شخص کو حضورؐ نے یہ دعا مانگتے سُنا۔ "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الصَّبْرَ" (اے اللہ میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں)۔ آپ نے فرمایا "سَأَلْتَ اللّٰهَ الْبَلَاءَ فَاسْأَلْهُ الْعَافِيَةَ" (تو نے اللہ سے بلا طلب کی کیونکہ صبر تو بلا پر ہوگا۔ اب تو اُس سے عافیت مانگ)

ف۹ یعنی باوجودیکہ حضرت یوسفؑ کی برارت و نزاہت کے بہت سے نشان دیکھ چکے تھے۔ پھر بھی اُنکی مصلحت یہ ہوئی کہ یوسفؑ کو ایک مدت تک قید میں رکھا جائے۔ تاکہ عام لوگ سمجھیں کہ قصور یوسفؑ ہی کا تھا، عورت بیچاری مفت میں بدنام ہوئی۔ گویا عورت نے قید کی جو دھمکی دی تھی اُسے پورا کرا کے چھوڑا۔ اُن لوگوں کی غرض تو یہ ہوگی کہ عورت سے یہ بدنامی زائل ہو، نیز ایک مدت تک یوسفؑ اُس کی نظر سے دُور رہیں، اور عورت کا مطلب یہ ہوگا کہ شاید قید کی سختیاں اُٹھا کر یوسفؑ کچھ نرم پڑ جائیں۔ اس طرح اپنا مطلب نکال سکوں۔

خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ

شراب ۔ اور دوسرے نے کہا ۔ میں دیکھتا ہوں ۔ کہ اُٹھا رہا ہوں اپنے سر پر ۔ روٹی کہ جانور

الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ (٣٦) قَالَ

کھاتے ہیں اُس میں سے، بتلا ہم کو اس کی تعبیر ۔ ہم دیکھتے ہیں تجھ کو ۔ نیکی والا ف١ ۔ بولا

لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ

نہ آنے پائیگا تم کو ۔ کھانا ۔ جو ہر روز تم کو ملتا ہے ۔ مگر بتا چکونگا تم کو ۔ اس کی تعبیر ۔ اُس کے

یَّاْتِیَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

آنے سے پہلے ۔ یہ علم ہے کہ ۔ مجھ کو سکھایا میرے رب نے ۔ میں نے چھوڑا ۔ دین اُس قوم کا

لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (٣٧) وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

کہ ایمان نہیں لاتے اللہ پر ۔ اور آخرت سے وہ لوگ ۔ منکر ہیں ف٢ ۔ اور پکڑا میں نے دین

اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ

اپنے باپ دادوں کا ابراہیم اور اسحٰق ۔ اور یعقوب کا ۔ ہمارا کام نہیں ۔ کہ شریک کریں اللہ کا

مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

کسی چیز کو ۔ یہ ۔ فضل ہے اللہ کا ۔ ہم پر ۔ اور سب لوگوں پر ۔ لیکن ۔ بہت

النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ (٣٨) یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ

لوگ ۔ احسان نہیں مانتے ف٣ ۔ اے رفیقو ۔ قید خانہ کے ۔ بھلا کئی معبود جُدا جُدا ۔ بہتر

اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (٣٩) مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ

یا اللہ اکیلا ۔ زبردست ف٤ ۔ کچھ نہیں پُوجتے ہو ۔ سوائے اُس کے مگر نام ہیں جو رکھ لئے ہیں

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا

تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ۔ نہیں اُتاری اللہ نے ۔ اُن کی کوئی سند ف٥ ۔ حکومت نہیں ہے کسی کی سوائے

لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

اللہ کے، اُس نے فرما دیا کہ نہ پوجو ۔ مگر اُسی کو ف٦ ۔ یہی ہے راستہ سیدھا ۔ پر ۔ بہت

ف١ یعنی اُسی زمانہ میں دو نوجوان قیدی جیلخانہ میں لائے گئے۔ جن میں ایک بادشاہ مصر (ریان بن الولید) کا نانبائی اور دوسرا ساقی (شراب پلانے والا) تھا۔ دونوں بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں ماخوذ تھے۔ قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کی مروت و امانت، راست گوئی، حُسنِ اخلاق، کثرتِ عبادت، معرفتِ تعبیر اور ہمدردئ خلائق کا چرچا تھا۔ یہ دونوں قیدی حضرت یوسفؑ سے بہت مانوس ہو گئے اور بڑی محبّت کا اظہار کرنے لگے۔ ایک روز دونوں نے اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ ساقی نے کہا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں۔ نانبائی نے کہا کہ میرے سر پر کئی ٹوکرے ہیں جس میں سے پرندے نوچ کر کھا رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کو بزرگ دیکھ کر تعبیر مانگی۔ ف٢ یوسف علیہ السلام نے اوّل اُن کو تسلّی دی کہ بیشک خوابوں کی تعبیر تمہیں بہت جلد معلوم ہوا چاہتی ہے روزمرہ جو کھانا تم کو ملتا ہے اُسکے آنے سے پیشتر میں تعبیر بتلا کر فارغ ہو جاؤنگا۔ لیکن تعبیر خواب سے زیادہ ضروری اور مفید ایک چیز پہلے تم کو سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ تعبیر وغیرہ کا یہ علم مجھ کو کہاں سے حاصل ہوا سو یاد رکھو کہ میں کوئی پیشہ ور کاہن یا منجم نہیں۔ بلکہ میرے علم کا سرچشمہ وحی اور الہام ربانی ہے جو مجھ کو حق تعالیٰ نے اسکی بدولت عطا فرمایا کہ میں نے ہمیشہ سے کافروں اور باطل پرستوں کے دین و ملّت کو چھوڑے رکھا اور اپنے مقدس آباء و اجداد (حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ) جیسے انبیاء و مرسلین کے دین توحید پر چلا اور ان کا اسوۂ حسنہ اختیار کیا۔ ہمارا سب سے بڑا اور مقدم مطمح نظر یہ ہی رہا کہ دنیا کی کسی چیز کو کسی درجہ میں بھی خدا کا شریک نہ بنائیں نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں، نہ ربوبیت و معبودیت میں۔ صرف اُسی کے آگے جھکیں، اُسی سے محبّت کریں، اُسی پر بھروسہ رکھیں۔ اور اپنا جینا مرنا سب اسی ایک پروردگار کے حوالہ کر دیں۔ بہرحال یوسف علیہ السلام نے موقع مناسب دیکھ کر نہایت مؤثر طرز میں اُن قیدیوں کو ایمان و توحید کی طرف آنے کی ترغیب دی۔ پیغمبروں کا کام یہ ہی ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ حق کا کوئی مناسب موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ ان قیدیوں کے دل میری طرف متوجہ اور مجھ سے مانوس ہیں قید کی مصیبت میں گرفتار ہو کر شاید کچھ نرم بھی ہوئے ہونگے۔ لاؤ ان حالات سے فرض تبلیغ کے ادا کرنے میں فائدہ اُٹھائیں۔ اوّل ان کو دین کی باتیں سکھلائیں پھر تعبیر بھی تبلا دینگے۔ یہ تسلّی پہلے کر دی کہ کھانے کے وقت تک تعبیر معلوم ہو جائیگی تا وہ نصیحت سے اُکتائیں نہیں۔ (تنبیہ) بہت سے مفسرین نے "لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ" کے معنی یہ لئے ہیں کہ کبھی کھانا تمہارے پاس نہیں آتا ہے مگر میں آنے سے پہلے اُس کی حقیقت پر تم کو مطلع کر دیا کرتا ہوں یعنی آج کیا کھانا آئیگا، کس قسم کا ہوگا، پھر تعبیر تبلانا کیا مشکل ہے۔ گویا اوّل حضرت یوسفؑ نے معجزہ کی طرف توجہ دلا کر اُنہیں اپنی نبوّت کا یقین دلانا چاہا، تاکہ آئندہ جو نصیحت کریں زیادہ مؤثر و اوقع فی النفس ہو۔ اس تقدیر پر یوسفؑ کا یہ معجزہ ایسا ہی ہوگا جیسے حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا "وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ"۔ مگر مترجم محققؒ نے پہلی تفسیر اختیار کی ہے واللہ اعلم۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ لکھتے ہیں "حق تعالیٰ نے قید میں یہ حکمت رکھی کہ اُن کا دل کافروں کی محبّت سے (یعنی کافر جو اُن کی محبت و مدارات کرتے تھے، اُس سے) ٹوٹا تو دل پر اللہ کا علم روشن ہوا۔ چاہا کہ اوّل اُن کو دین کی بات سُنا دیں پیچھے تعبیر خواب کہیں۔ اس واسطے تسلّی کر دی تا نہ گھبرائیں۔ کہا کہ کھانے کے وقت تک وہ بھی بتا دُونگا۔

ف٣ یعنی ہمارا خالص توحید اور ملّت ابراہیمی پر قائم رہنا نہ صرف ہمارے حق میں بلکہ سارے جہان کے حق میں رحمت و فضل ہے، کیونکہ خاندان ابراہیمی ہی کی شمع سے سب لوگ اپنے دلوں کے چراغ روشن کر سکتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ بہت سے لوگ خدا کی اس نعمت عظیمہ کی قدر نہیں کرتے۔ چاہیئے یہ تھا کہ اُس کا احسان مان کر راہِ توحید پر چلتے وہ اُلٹی ناشکری کر کے شرک و عصیان کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔ ف٤ یعنی مختلف انواع و اشکال کے چھوٹے بڑے دیوتا جن پر تم نے خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں اُن سے لو لگانا بہتر ہے یا اُس اکیلے زبردست خدا سے جس کو ساری مخلوق پر کُلّی اختیار اور کامل تصرّف و قبضہ حاصل ہے اور جس کے آگے نہ کسی کا حکم چل سکتا ہے نہ اختیار، نہ اُسے کوئی بھاگ کر ہرا سکتا ہے نہ مقابلہ کر کے مغلوب کر سکتا ہے۔ خود سوچو کہ سر عبودیت ان میں سے کس کے سامنے جُھکایا جائے۔ ف٥ یعنی یوں ہی بے سند اور بے ٹھکانے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جن کے نیچے حقیقت ذرّہ برابر نہیں۔ ان ہی نام کے خداؤں کی پُوجا کر رہے ہو۔ ایسے جہل پر انسان کو شرمانا چاہیئے۔ ف٦ یعنی قدیم سے انبیاء علیہم السلام کی زبانی یہی حکم بھیجتا رہا کہ خدا کی عبادت میں کسی کو شریک مت کرو۔ "وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ" (زخرف۔ رکوع ٤)

ف۱ یعنی توحید خالص کے راستہ میں ایچ پیچ کچھ نہیں۔ سیدھی اور صاف سڑک ہے جس پر چل کر آدمی بے کھٹکے خدا تک پہنچتا ہے۔ لیکن بہت لوگ حماقت یا تعصّب سے ایسی سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھتے۔ ف۲ فرض تبلیغ ادا کرنے کے بعد یوسف علیہ السلام نے اُن کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی، کہ جس نے خواب میں شراب پلاتے دیکھا اُس کی تعبیر یہ ہی ہے کہ وہ بیداری میں بادشاہ کو شراب پلائیگا۔ اور جس نے سر پر سے جانوروں کو روٹیاں کھاتے دیکھا اُس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سُولی دیا جائیگا۔ پھر جانور اُسکے سر سے نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ قضاء وقدر کا فیصلہ یہ ہی ہے جو کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا۔ جو بات تم پوچھتے تھے وہ میں نے بتلادی۔ یہ بالکل طے شدہ امر ہے۔ جس میں تخلف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ساقی زہر خورانی کی تہمت سے بَری ہو گیا، اور خباز (نانبائی) کو جُرم ثابت ہونے کی وجہ سے سزائے موت دی گئی۔ ف۳ یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے جیسے "اَلَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ" میں۔ یعنی یوسف علیہ السلام کو دونوں میں سے جس شخص کی بابت یقین تھا کہ بَری ہو جائیگا جب وہ قیدخانہ سے نکلا تو فرمایا اپنے بادشاہ کی خدمت میں میرا بھی ذکر کرنا کہ ایک ایسا شخص بے قصور قیدخانہ میں برسوں سے پڑا ہے۔ مبالغہ کی ضرورت نہیں۔ میری جو حالت تُو نے مشاہدہ کی ہے بلا کم و کاست کہہ دینا۔

النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۰﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ اَمَّاۤ اَحَدُکُمَا فَیَسۡقِیۡ رَبَّهٗ
لوگ نہیں جانتے ف۱ اے رفیقو قیدخانہ کے ایک جو ہے تم دونوں میں سو پلائیگا اپنے خاوند کو

خَمۡرًا ۚ وَ اَمَّا الۡاٰخَرُ فَیُصۡلَبُ فَتَاۡکُلُ الطَّیۡرُ مِنۡ رَّاۡسِهٖ ؕ قُضِیَ
شراب اور دوسرا جو ہے سو سُولی دیا جائیگا، پھر کھائینگے جانور اس کے سر میں سے فیصل ہوا

الۡاَمۡرُ الَّذِیۡ فِیۡهِ تَسۡتَفۡتِیٰنِ ﴿۴۱﴾ؕ وَ قَالَ لِلَّذِیۡ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ
وہ کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے ف۲ اور کہہ دیا یوسف نے اُس کو جس کو گمان کیا تھا کہ بچے گا

مِّنۡهُمَا اذۡکُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّکَ ۫ فَاَنۡسٰهُ الشَّیۡطٰنُ ذِکۡرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ
اُن دونوں میں میرا ذکر کرنا اپنے خاوند کے پاس ف۳ سو بھلا دیا اُس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاوند سے پھر رہا

فِی السِّجۡنِ بِضۡعَ سِنِیۡنَ ﴿۴۲﴾ؕ؏ وَ قَالَ الۡمَلِکُ اِنِّیۡۤ اَرٰی سَبۡعَ بَقَرٰتٍ
قید میں کئی برس ف۴ اور کہا بادشاہ نے مَیں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں

سِمَانٍ یَّاۡکُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّ سَبۡعَ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ
موٹی اُن کو کھاتی ہیں سات گائیں دُبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی ف۵

یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَاُ اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡ رُءۡیَایَ اِنۡ کُنۡتُمۡ لِلرُّءۡیَا تَعۡبُرُوۡنَ ﴿۴۳﴾
اے دربار والو تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر دینے والے ف۶

قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ۚ وَ مَا نَحۡنُ بِتَاۡوِیۡلِ الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِیۡنَ ﴿۴۴﴾
بولے یہ خیالی خواب ہیں اور ہم کو ایسے خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں ف۷

وَ قَالَ الَّذِیۡ نَجَا مِنۡهُمَا وَ ادَّکَرَ بَعۡدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُکُمۡ بِتَاۡوِیۡلِهٖ
اور بولا وہ جو بچا تھا اُن دونوں میں سے اور یاد آگیا اُس کو مدّت کے بعد مَیں بتاؤں تم کو اُس کی تعبیر

فَاَرۡسِلُوۡنِ ﴿۴۵﴾ یُوۡسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیۡقُ اَفۡتِنَا فِیۡ سَبۡعِ بَقَرٰتٍ
سو تم مجھ کو بھیجو ف۸ جا کر کہا اے یوسف اے سچے ف۹ حکم دے ہم کو اس خواب میں سات گائیں

سِمَانٍ یَّاۡکُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّ سَبۡعِ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّ اُخَرَ
موٹی اُن کو کھائیں سات دُبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری

ف۴ یعنی شیطان نے چھوٹنے والے قیدی کے دل میں مختلف خیالات و وساوس ڈال کر ایسا غافل کیا کہ اُسے بادشاہ کے سامنے اپنے محسن بزرگ (یوسف علیہ السلام) کا تذکرہ کرنا یاد ہی نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یوسفؑ کو کئی سال اور قید میں رہنا پڑا۔ مُدّت دراز کے بعد جب بادشاہ نے ایک خواب دیکھا اور اُس کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہ آئی تب اُس شخص کو یوسف علیہ السلام یاد آئے جیسا کہ آگے آتا ہے "وَقَالَ الَّذِیۡ نَجَا مِنۡهُمَا وَادَّکَرَ بَعۡدَ اُمَّةٍ"۔ بھلانے کی نسبت شیطان کی طرف اس لئے کی گئی کہ وہ القائے وساوس وغیرہ کا ذریعہ ہے جو سبب بنتا ہے نسیان کا۔ حضرت مُوسٰی کے رفیق سفر نے کہا تھا "وَمَاۤ اَنۡسٰنِیۡهُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ اَنۡ اَذۡکُرَهٗ" (کہف۔ رکوع ۹) لیکن ہر ایک شر میں حق تعالیٰ کوئی خیر کا پہلو رکھ دیتا ہے۔ یہاں بھی گو اس نسیان کا نتیجہ تطویل قید کی صورت میں ظاہر ہُوا تاہم حضرت شاہ صاحبؒ کی نکتہ آفرینی کے موافق اس میں یہ تنبیہ ہو گئی کہ ایک پیغمبر کا دل ظاہری اسباب پر نہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ بلکہ ابن جریر اور بغوی وغیرہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ "فَاَنۡسٰهُ الشَّیۡطٰنُ ذِکۡرَ رَبِّهٖ" کی ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف راجع کرتے ہیں۔ گویا "اُذۡکُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّکَ" کہنا ایک طرح کی غفلت تھی جو یوسف علیہ السلام کو عارض ہوئی۔ انہوں نے قیدی کو کہا کہ اپنے ربّ سے میرا ذکر کرنا حالانکہ چاہیئے تھا کہ سب ظاہری سہارے چھوڑ کر وہ خود اپنے ربّ سے فریاد کرتے۔ بیشک کشف شدائد کے وقت مخلوق سے ظاہری استعانت اور اسباب کی مباشرت مطلقاً حرام نہیں ہے لیکن ابرار کی حسنات مقربین کی سیّات بن جاتی ہیں۔ جو بات عامۃ الناس بے کھٹکے کر سکتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے منصب عالی کے اعتبار سے وہ ہی بات ایک قسم کی تقصیر بن جاتی ہے۔ امتحان و ابتلاء کے موقع پر انبیاء کی شانِ رفیع اسی کو مقتضی ہے کہ رخصت پر نظر نہ کریں، انتہائی عزیمت کی راہ چلیں۔ چونکہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا "اُذۡکُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّکَ" کہنا عزیمت کے خلاف تھا، اس لئے عتاب آمیز تنبیہ ہوئی کہ کئی سال تک مزید قید اُٹھانی پڑی اور اسی لئے "اِنساء" کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ زیادہ تفصیل روح المعانی میں ہے۔

ف۵ وہ سوکھی بالیں ہری بالوں پر لپٹتی ہیں اور انہیں خشک کر دیتی ہیں۔ یہ خواب بادشاہ مصر "ریان بن الولید" نے دیکھا۔ جو آخر کار حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی اور ظاہری عروج کا سبب بنا۔ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں جابجا اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ خدا جب کوئی بات چاہتا ہے غیر متوقع طریقہ سے اُسکے ایسے اسباب فراہم کر دیتا ہے جن کی طرف آدمی کا خیال نہیں جاتا۔ ف۶ یعنی اگر اس فن میں کچھ مہارت رکھتے ہو تو میرے خواب کی تعبیر بتلاؤ۔ ف۷ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس فن سے جاہل تھے۔ اپنے جہل کا صاف لفظوں میں اقرار کرتے شرمائے تو یوں بات بنادی کہ یہ کوئی خواب نہیں، محض پریشان خیالات ہیں، بسا اوقات انسان کو نیند میں ایسی صورتیں متخیل ہو جاتی ہیں جو لائق اعتناء نہیں، نہ ہم ایسے خوابوں کی تعبیر کا علم رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ علم تعبیر رؤیا کے اصول کے ماتحت نہیں ہوتے۔ ف۸ اب خواب کے سلسلہ میں ساقی کو جو قید سے چھوٹ کر آیا تھا مدّت کے بعد حضرت یوسفؑ یاد آئے اُس نے بادشاہ اور اہل دربار سے کہا کہ اگر مجھے ذرا جانے کی اجازت دو تو میں اس خواب کی تعبیر لا سکتا ہوں۔ قیدخانہ میں ایک مقدس بزرگ فرشتہ صورت موجود ہے جو فنِ تعبیر کا ماہر ہے۔ ممکن ہے اُس نے اپنے خواب کا قصہ بھی ذکر کیا ہو۔ میں تعبیر لینے کے لئے اُس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ چنانچہ اجازت دیگئی۔ اُس نے یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ عرض کیا جو آگے آتا ہے۔ ف۹ "اَیُّهَا الصِّدِّیۡقُ" کہنے سے یہ غرض تھی کہ آپ مجسّم سچ ہیں۔ جو بات کبھی آپ کی زبان سے نکلی سچ ہو کر رہی اُمید ہے جو تعبیر اس خواب کی دیں گے ہُو بہو پوری ہو کر رہیگی۔ یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صدق و دیانت کا نقش کس طرح عام و خاص کے قلوب پر بیٹھ جاتا ہے۔

يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ
سوکھی تاکہ لے جاؤں میں لوگوں کے پاس شاید اُن کو معلوم ہو ف۱ کہا
تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ
تم کھیتی کروگے سات برس جم کر سو جو کاٹو اُس کو چھوڑ دو اُس کی بال میں
اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ
مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ پھر آئینگے اُس کے بعد سات برس سختی کے
يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِیْ
کھا جائینگے جو رکھا تم نے اُن کے واسطے مگر تھوڑا سا جو روک رکھوگے بیج کیواسطے پھر آئے گا
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ
اِس کے پیچھے ایک برس اُس میں مینہ برسے گا لوگوں پر اور اس میں رس نچوڑینگے ف۲ اور کہا
الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ
بادشاہ نے لے آؤ اُس کو میرے پاس، پھر جب پہنچا اُس کے پاس بھیجا ہوا آدمی کہا لوٹ جا اپنے خاوند کے پاس
فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَيْدِهِنَّ
اور پوچھ اُس سے کیا حقیقت ہے اُن عورتوں کی جنہوں نے کاٹے تھے ہاتھ اپنے ف۳ میرا رب تو اُن کا فریب
عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ
سب جانتا ہے ف۴ کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھسلایا یوسف کو اُسکے نفس کی حفاظت سے ف۵ بولیں
حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ
حاشا للہ ہم کو معلوم نہیں اُس پر کچھ برائی بولی عورت عزیز کی اب
حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾
کھل گئی سچی بات میں نے پھسلایا تھا اُسکو اُس کے جی سے اور وہ سچا ہے ف۶
ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾
یوسف نے کہا یہ اسواسطے کہ عزیز معلوم کرلیوے کہ میں نے اُسکی چوری نہیں کی چھپکر، اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دغابازوں کا ف۷

ف۱ یعنی خواب کی تعبیر اور اُس کے ذریعہ سے آپ کی قدر و منزلت معلوم ہو۔ ف۲ یوسف علیہ السلام نے تعبیر بتلانے میں دیر نہ کی نہ کوئی شرط لگائی، نہ اُس شخص کو شرمندہ کیا کہ تجھ کو اتنی مدت کے بعد اب میرا خیال آیا۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کے اخلاق و مروت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر وہ صرف خواب کی تعبیر مانگتا تھا۔ آپ نے تین چیزیں عطا فرمائیں۔ تعبیر، تدبیر، تبشیر۔ آپکے کلام کا حاصل یہ تھا کہ سات موٹی گائیں اور سات ہری بالیں سات برس ہیں۔ جن میں متواتر خوشحالی رہیگی، کھیتوں میں خوب پیداوار ہوگی، حیوانات و نباتات خوب بڑھیں گے۔ اس کے بعد سات سال قحط ہوگا جس میں سارا اگلا پچھلا اندوختہ کھا کر ختم کر ڈالوگے۔ صرف آیندہ تخم ریزی کے لئے کچھ تھوڑا سا باقی رہ جائیگا۔ یہ سات سال دُبلی گائیں اور سوکھی بالیں ہیں جو موٹی گائیوں اور ہری بالوں کو ختم کر دینگی۔ تعبیر بتلانے کے دوران میں حضرت یوسفؑ نے ازراہِ شفقت و ہمدردی خلائق ایک تدبیر بھی تلقین فرمادی کہ اوّل سات سال میں جو پیداوار ہو اُسے بڑی حفاظت سے رکھو اور کفایت شعاری سے اُٹھاؤ۔ کھانے کے لئے جس قدر غلّہ کی ضرورت ہو اُسے الگ کرلو اور تھوڑا تھوڑا احتیاط سے کھاؤ۔ باقی غلہ بالوں میں رہنے دو تا اس طرح کیڑے وغیرہ سے محفوظ رہ سکے۔ اور سات سال کی پیداوار چودہ سال تک کام آئے۔ ایسا نہ کروگے تو قحط کا مقابلہ کرنا دشوار ہوگا۔ یہ تعبیر و تدبیر بتلانے کے بعد انہیں بشارت سنائی جو غالباً آپ کو وحی سے معلوم ہوئی ہوگی یعنی سات سال قحط رہنے کے بعد جو سال آئیگا اُس میں حق تعالیٰ کی طرف سے فریاد رسی ہوگی اور خوب مینہ برسے گا۔ کھیتی باڑی، پھل میوے نہایت افراط سے پیدا ہونگے، جانوروں کے تھن دُودھ سے بھر جائینگے۔ انگور وغیرہ نچوڑنے کے قابل چیزوں سے لوگ شراب کشید کرینگے۔ یہ آخری بات سائل کے حسب حال فرمائی۔ کیونکہ وہ یہی کام کرتا تھا۔

ف۳ بادشاہ کچھ تو پہلے ہی ساقی کے تذکرے سے حضرت یوسفؑ کا معتقد ہوگیا تھا۔ اب جو ایسی موزوں و دلنشین تعبیر اور رعایا کی ہمدردی کی تدبیر سنی تو اُن کے علم و فضل، عقل و دانش اور حُسن اخلاق کا سکّہ اُس کے دل پر بیٹھ گیا۔ فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ، تا اُس کی زیارت سے بہرہ اندوز ہوں اور اُس کے مرتبہ اور قابلیت کے موافق عزّت کروں۔ قاصد پیام شاہی لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر یوسفؑ کی نظر میں اپنی دینی و اخلاقی پوزیشن کی برتری اور صفائی اعلیٰ سے اعلیٰ دنیوی عزّت و وجاہت سے زیادہ مہم تھی۔ آپ جانتے تھے کہ پیغمبر خدا کی نسبت لوگوں کی ادنیٰ بدگمانی بھی ہدایت و ارشاد کے کام میں بڑی بھاری رکاوٹ ہے اگر آج میں بادشاہی فرمان کے موافق چُپ چپاتے قید خانہ سے نکل گیا اور جس جھوٹی تہمت کے سلسلہ میں سالہا سال قید و بند کی مصائب اُٹھائیں اُس کا قطعی طور پر استیصال نہ ہوا تو بہت ممکن ہے کہ بہت سے ناواقف لوگ میری عصمت کے متعلق تردّد اور شبہ میں پڑے رہ جائیں اور حاسدین کچھ زمانہ کے بعد ان ہی بے اصل اثرات سے فائدہ اُٹھا کر کوئی اور منصوبہ میرے خلاف کھڑا کردیں۔ ان مصالح پر نظر کرتے ہوئے آپ نے حکم شاہی کے امتثال میں جلدی نہ کی بلکہ نہایت صبر و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے قاصد کو کہا کہ تو اپنے مالک (بادشاہ) سے واپس جاکر دریافت کر کہ تجھ کو اُن عورتوں کے قصّہ کی کچھ حقیقت معلوم ہے جنہوں نے دعوت کے موقع پر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ حضرت یوسف کو اُن عورتوں کے ناموں کی تفصیل کہاں معلوم ہوگی۔ یہ خیال کیا ہوگا کہ ایسا واقعہ ضرور عام شہرت حاصل کرچکا ہے۔ اس لئے واقعہ کے ایک ممتاز جزء (ہاتھ کاٹنے) کو ظاہر کرکے بادشاہ کو توجہ دلائی کہ اس مشہور و معروف قصّہ کی تفتیش و تحقیق کرے۔ غالباً اب وہ عورتیں بتلادیں گی کہ تقصیر کس کی ہے۔ نبی کریم صلعم نے صحیحین کی حدیث میں حضرت یوسف کے کمال صبر و تحمل کی اس طرح داد دی ہے۔ "لَوْ لَبِثْتُ فِی السِّجْنِ مَا لَبِثَ یُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِیَ" (اگر میں اتنی مدّت قید میں رہتا جتنا یوسف رہے تو بُلانے والے کی اجابت کرتا یعنی فوراً ساتھ ہو لیتا) محققین کہتے ہیں کہ اس میں حضرت یوسفؑ کے صبر و تحمل کی تعریف اور لطیف رنگ میں اپنی عبودیت کاملہ کا اظہار ہے۔ ہم نے اس مضمون کی تفصیل شرح صحیح مسلم میں کی ہے۔ یہاں اختصار کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتے۔ ف۴ حضرت یوسفؑ نے "سب کا فریب" فرمایا، اس واسطے کہ ایک کا فریب تھا اور سب اُس کی مددگار تھیں اور اصل فریب والی کا نام شاید حق پرورش کی وجہ سے نہیں لیا۔ حیاء کی وجہ سے گول مول فرمایا۔ کیونکہ جانتے تھے کہ اصل حقیقت آخر کھل کر رہیگی۔ کذا فی الموضح۔ ف۵ بادشاہ نے دریافت کرنے کا ایسا عنوان اختیار کیا گویا وہ پہلے سے خبر رکھتا ہے تا یہ دیکھ کر انہیں جھوٹ بولنے کی ہمت نہ ہو۔ نیز یوسف علیہ السلام کی استقامت و صبر کا اثر پڑا ہوگا کہ بدون اظہار براءت کے جیل سے نکلنا گوارا نہیں کرتے اور "اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ" کہہ کر اُن کے "کید" کا اظہار فرمارہے ہیں۔ اُدھر ساقی وغیرہ نے واقعات سُنائے ہونگے اُن سے بھی یوسف کی نزاہت اور عورتوں کے مکائد کی تائید ملی ہوگی۔ ف۶ سب عورتوں کی متفقہ شہادت کے بعد خود زلیخا نے بھی صاف اقرار کرلیا کہ قصور میرا ہے۔ یوسفؑ بالکل سچے ہیں۔ بیشک میں نے اُن کو اپنی جانب مائل کرنا چاہا تھا لیکن وہ ایسے کاہے کو تھے کہ میرے داؤ میں آجاتے۔ ف۷ یعنی اتنی تحقیق و تفتیش اِس لئے کرائی کہ پیغمبرانہ عصمت و دیانت بالکل آشکارا ہوجائے اور لوگ معلوم کرلیں کہ خائنوں اور دغابازوں کا فریب اللہ چلنے نہیں دیتا۔ چنانچہ عورتوں کا فریب نہ چلا۔ آخر حق حق ہو کر رہا۔